ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

علمی • ادبی • تحقیقی • اصلاحی مجلّہ

جلد: 22 | شمارہ: 09 | ستمبر 2013ء/ذوالقعدہ 1434ھ

دارالسلام

DARUSSALAM

دارالسلام کی تحقیق کا آئینہ دار

چیف ایڈیٹر

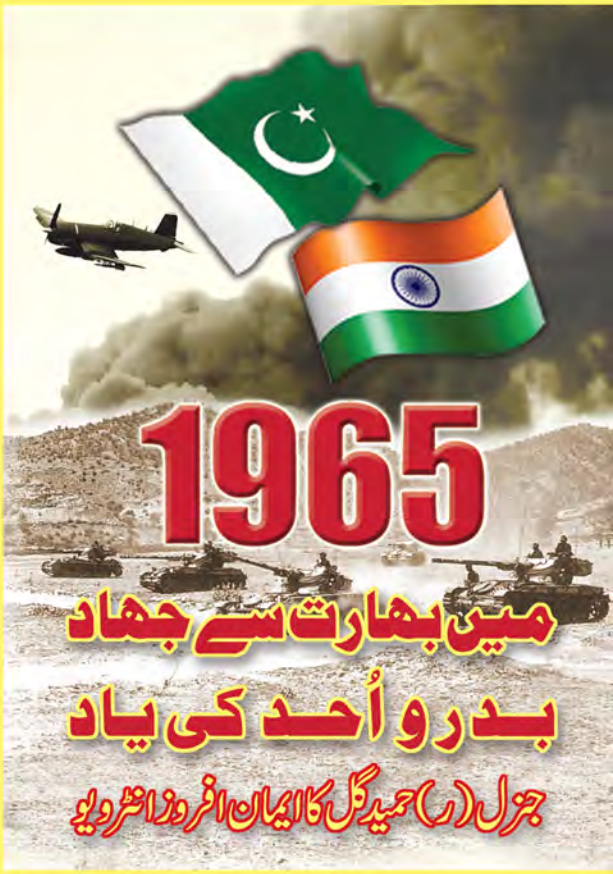
عبدالمالک مجاہد



اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

کے چند عملی تقاضے

ایک پُراثر وعظ.... ایک فکر انگیز تحریر



1965

میں بھارت سے جہاد

بدر و اُحد کی یاد

جنرل (ر) حمید گل کا ایمان افروز انٹرویو

طباعت و اشاعت کی دنیا



''جملہ حقوق محفوظ ہیں'' اور ''مضمون صرف ہمیں بھیجیں'' جیسی پابندیوں کا شرعی جائزہ

قرآن کا ایک سوال؟

سیلاب زدہ قوموں کا تذکرہ

اور اپنا جائزہ...

علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

ضیائے حدیث

جلد:22| شمارہ:09| ستمبر 2013ء/ذوالقعدہ 1434ھ

چیف ایڈیٹر
عبدالمالک مجاہد • بیاد مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ • بانی مولانا حکیم محمد اویس فاروقی رحمہ اللہ

وسعتِ دامان

39 
مکتوب امریکہ
بات اپنے تک ہی رہے!
حافظ عبدالوحید سوہدروی

50 
سیاسیات
اسلام میں امن کی اہمیت وضرورت
حافظ محمد حق نواز

72 
تعاقب
مرزا قادیانی کے 20 جھوٹ
مولانا مشتاق احمد چنیوٹی

76 
سخن گسترانہ
سعودی عرب کو جمہوریت سے بچائیں!
خالد سیال

ایگزیکٹو ایڈیٹر حافظ عبدالوحید سوہدروی ایڈیٹر محمد نعمان فاروقی
noumanfarooqi47@gmail.com

مجلس ادارت
مولانا ارشاد الحق اثری | پروفیسر محمد یحییٰ | حافظ عبدالستار حماد
حافظ صلاح الدین یوسف | حافظ شبیر صدیق | حافظ محمد حق نواز

مجلس مشاورت
چوہدری محمد یٰسین ظفر | ڈاکٹر محمد حماد لکھوی | مولانا محمد عبدالجبار
عکاشہ مجاہد | حبیب کبریا

مجلس نظامت
حافظ عبدالعظیم اسد | قمرالحمید فیصل | عبدالغفار مجاہد
شیخ ارشد علی | محمد اعظم یٰسین | حافظ محمد ندیم
آرٹ اینڈ ڈیزائن | طارق جاوید عارفی | حافظ عثمان یوسف

محمد صفت اللہ المہی (آرٹ ڈائریکٹر) جاوید اقبال (گرافک ڈیزائنر) حافظ عبدالماجد (کمپوزنگ)
خطاطی اکرام الحق قانونی مشیر چوہدری محمد اکرم گوندل (ایڈووکیٹ ہیم کورٹ)

ضیائے حدیث جاری کروانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

- منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے:

دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' 36 لوئر مال، لاہور (پاکستان)

- آن لائن کروانے کے لیے:

A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd. Session Court Branch
Lahore. Br Code: 1317

- برائے ایزی پیسہ: موسیٰ علی: 0313 75 79 034
شناختی نمبر: 34101-4002586-9

سرکولیشن منیجر: محمد یوسف سلفی +92 300 70 71 823
اسسٹنٹ سرکولیشن منیجر: موسیٰ کلیم بلتستانی +92 313 75 79 034
Tel:+92 42 372 32 400 | Fax:+92 42 373 54 072
ziaehadith1@yahoo.com

ناشر محمد ادریس فاروقی مقام اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور
پرنٹر انٹرنیشنل دارالسلام پرنٹنگ پریس، 36۔لوئر مال، لاہور

اداریہ	''الحمدللہ'' کے چند عملی تقاضے	عبدالمالک مجاہد	7
تجلیات قرآن	سیلاب میں گرفتار قوم سے قرآن مجید کا ایک سوال	محمد نعمان فاروقی	11
انوار حدیث	صالحین کی کرامات	فضل اکبر کاشمیری	17
جدید فقہی مسائل	طباعت واشاعت سے متعلقہ مسائل	حافظ شبیر صدیق	21
تعلیم و تعلم	دینی مدارس کی اہمیت	الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی	25
اشاعت حدیث	غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث	ابوانس	32
معاشیات	تجارت اور زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی	حافظ عبدالسمیع	33
افتاء و ارشاد	آپ کے سوالات اور ان کا حل	ابوالحسن حافظ عبدالخالق	36
مکتوب امریکہ	بات اپنے تک ہی رہے!	حافظ عبدالوحید سوہدروی	39
انٹرویو	1965ء میں بھارت سے جہاد، بدر واحد کی یاد	جنرل (ر) حمید گل	41
کرنٹ افیئر	اللہ سے زیادہ مہربان نہ بنیں!	ایڈیٹر	47
سیاسیات	اسلام میں امن کی اہمیت وضرورت	حافظ محمد حق نواز	50
اصلاح معاشرہ	شادی بیاہ پر ہمارے طور اطوار	حافظ صلاح الدین یوسف	56
گوشۂ خواتین	خواتین سے متعلق من گھڑت اور جھوٹی روایات	طارق جاوید عارفی	61
بچوں کا صفحہ	تخنے کا کمال	ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر	66
تعارف ممالک	ایران	محسن فارانی	68
تعاقب	مرزا قادیانی کے 20 جھوٹ	مولانا مشتاق احمد چنیوٹی	72
سخن گسترانہ	سعودی عرب کو جمہوریت سے بچائیں!	خالد سیال	76

دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون: سعودی عرب 100 ریال، یورپی ممالک 30 یورو

قیمت فی شمارہ 35 روپے | سالانہ زرتعاون عام ڈاک صرف -/400 روپے، رجسٹری ڈاک -/800 روپے

الحمدللہ کے چند عملی تقاضے

ایک پُراثر وعظ ۔ ایک فکر انگیز تحریر

اگست 2013ء بھی تیزی سے گزر گیا۔ اس مہینہ کے شروع میں عیدالفطر تھی۔ گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی الحمدللہ اعتکاف کرنے کا موقع ملا۔ تعلیم و تربیت اور تزکیہ کے حوالے سے یقیناً یہ بہترین عبادت ہے۔ سعودی عرب میں رمضان شریف کا اپنا ہی مزہ ہے۔ عید کے موقع پر بلاشبہ خوشیاں بٹتی ہیں۔ اپنے پیاروں میں عیدی کی تقسیم بڑا مزا دیتی ہے۔ عید کے فوراً بعد بچوں کا مطالبہ تھا کہ انھیں کسی اچھے سے ریسٹورنٹ سے کھانا کھلایا جائے۔ کئی دن کے مطالبات اور ردوکد کے بعد میں تیار ہو گیا کہ انھیں ریاض کے سب سے بہترین اور مشہور ہوٹل سے کھانا کھلایا جائے۔

ریاض کے پوش علاقے میں Ritz Carlton ہوٹل ہے۔ رومانی طرز پر بنایا گیا یہ ہوٹل بلاشبہ ریاض کا سب سے خوبصورت اور مہنگا ہوٹل ہے۔ عید کا موقع تھا۔ بچوں کو عیدی بھی دینا تھی۔ ان کی خوشی کی خاطر میں بھی وہاں چلا گیا۔ اسے دیکھ کر ہم نے ایک ہی جملہ کہا کہ ''الٰہی تیری جنت کتنی خوبصورت ہوگی۔'' عید کا موقع تھا اس لیے بہت سی فیملیاں وہاں آئی ہوئی تھیں۔ ریسٹورنٹ لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جتنا بڑا ہوٹل تھا اور جتنا مہنگا کھانا تھا اتنا وہ مزیدار نہ تھا۔ ہم بار بار اللہ کے انعامات کا شکریہ ادا کرتے رہے۔ دراصل میرے نزدیک شکر کا مفہوم مختلف ہے۔ زبان سے یقیناً شکر، شکر کے الفاظ ادا کرنے بڑے ضروری ہیں۔ اسی دوران ایک مضمون ثوب العید بھی میری نظر سے گزرا۔ یہ مضمون میرے احساسات اور جذبات کی عکاسی کرتا تھا۔ میں نے اپنے اس مضمون میں اپنے احساسات اور خیالات کو قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس مضمون میں کچھ ایسے نکات ہیں جن پر عمل کر کے ہم حمد اور شکر جیسی نعمت کو حاصل کر سکتے ہیں۔

قارئین کرام سعودی عرب میں جہاں بے شمار نعمتیں ہیں وہاں بجلی کی نعمت بڑی وافر ہے۔ ہر کمرہ، ہر دفتر ہر گاڑی میں ایرکنڈیشن لگا ہوا ہے۔ رات کو کمرے میں اتنی ٹھنڈ ہو جاتی ہے کہ عموماً کمبل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نوازشیں اس قدر ہیں کہ بار بار میرے منہ سے بے اختیار نکلتا ''الحمدللہ'' یہ الفاظ میں محض زبان سے ادا نہیں کرتا بلکہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلتے ہیں۔

میں نے بڑی مرتبہ سوچا ہے کہ الحمدللہ ایسا کلمہ نہیں جسے ہم رسماً اپنی زبان سے ادا کر دیں تو اس کا حق ادا ہو جائے گا۔ اگر ہم ہزار مرتبہ بھی اسے زبان سے ادا کریں اور اس کے تقاضے پورے نہ کریں تو کوئی فائدہ نہیں۔

حمد کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ضرورت مندوں کو ان کا حصہ پہنچائیں۔ امیر آدمی کی حمد یہ ہے کہ غریبوں کو دے۔

طاقتور کی حمد یہ ہے کہ وہ کمزوروں کو ان کا حق دلائے۔

صحت مند کی حمد یہ ہے کہ بیماروں کی مدد کرے۔

حاکم کی حمد یہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کے حقوق کا خیال رکھے اور لوگوں کے درمیان عدل کرے۔ کیا ہم ''الحمدللہ'' کے تقاضے پورے کرتے ہیں؟ اس مضمون اور اداریہ میں ہم نے اسی بات کا جائزہ لینا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں اپنی محبوب ترین آیت آپ کو سنانا چاہوں گا: ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ﴾

ذرا غور کیجیے کہ اگر میرے پڑوسی نے مجھ سے کچھ نہیں مانگا تو کیا یہ میری ذمہ داری نہیں کہ میں اس سے پوچھوں کہ اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ بات آئے کہ صدقہ کرنے سے ہم لوگ غریب ہو جائیں گے۔ قرآن کریم کے الفاظ ﴿اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ﴾ شیطان تو یہی دل میں ڈالتا ہے کہ دیکھو تم فقیر ہو جاؤ گے۔ میں کون ہوتا ہوں کسی کو غنی بنانے والا۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ اس پرندے کی طرح رزق عطا کرتا ہے جو صبح بھوکا نکلتا ہے اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتا ہے۔ قارئین کرام! میں کروڑ پتی افراد کے مقابلے میں فقیر ہوں لیکن ان مزدوروں سے بہتر ہوں جنھیں اپنی محدود اجرت سے ہی اپنے کنبے کی پرورش کرنا پڑتی ہے۔

یہ مزدور ان بیوہ عورتوں سے بہتر ہے جن کا کوئی کمانے والا نہیں ہے۔ اسی طرح کروڑ پتی افراد ارب پتی افراد کے مقابلے میں فقیر ہیں۔ ان ارب پتی افراد سے اوپر بھی کچھ افراد ہیں۔ دنیا میں نہ کوئی مطلق مالدار ہے اور نہ ہی کوئی مطلق فقیر۔ یہ نقطہ چڑیا کی مثال سے سمجھ لینا چاہیے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ چڑیا چھوٹی ہے یا بڑی۔

اگر کوئی کہے کہ بڑی تو میں جواب میں کہوں گا چڑیا ہاتھی کے مقابلے میں تو بہت چھوٹی ہے۔ اگر کوئی کہے چھوٹی تو میں کہوں گا کہ یہ چیونٹی کے مقابلے میں تو بہت بڑی ہے۔

اسی طرح میں ان بیوہ عورتوں کے مقابلے میں انتہائی مالدار ہوں جن کے پاس مال رہا ہے نہ اہل۔ اگرچہ میں بہت سے مالداروں کے مقابلے میں فقیر ہوں۔

یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک کو کوئی ایسا فرد مل سکتا ہے جو اس سے بھی زیادہ غریب ہو۔ ہمیں چاہیے کہ اس غریب شخص کی مشکلات کم کرنے میں اس کا ساتھ دیں۔

محترم قارئین! ضروری نہیں کہ آپ فقراء کو لمبی چوڑی رقمیں دیں بلکہ اگر آپ کے پاس پانچ روٹیاں ہیں تو ایک کسی بھوکے شخص کو دے کر چار سے گزارا کر لیں۔ اگر آپ نے کھانے کے ساتھ کوئی سویٹ ڈش بھی تیار کر رکھی ہے تو یہ ایک اضافی چیز ہے اس میں ان افراد کا بھی حصہ رکھیں جو اس طرح کی عیاشی افورڈ نہیں کر سکتے۔

اگر کسی کے پاس پیوند لگے چار سوٹ ہیں۔ وہ ایک سوٹ کسی ایسے شخص کو دے سکتا ہے جو پیوند لگے کپڑوں کو بھی ترستا ہے۔

اگر کسی کے پاس کچھ پرانے سوٹ ہیں لیکن ابھی ان میں پیوند لگانے کی نوبت نہیں آئی تو وہ ان میں سے کچھ ایسے شخص کو دے سکتا ہے جس کے سارے کپڑے پیوند لگے ہوں۔

ایک لباس جس کی طرف ایک بندے کا دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا دوسرے کے لیے وہ عید کا لباس ہوسکتا ہے۔ اسے یہ لباس پا کر کتنی خوشی ہوگی۔

میں آپ کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں اگر کوئی ارب پتی اپنی بی۔ایم۔ڈبلیو گاڑی سے اکتا کر کوئی نئی طرز کی گاڑی خرید لے اور پرانی بی۔ایم۔ڈبلیو آپ کو دے دے تو آپ کو کتنی خوشی ہوگی ممکن ہے نادار آدمی کو آپ کا پرانا لباس حاصل کر کے اس سے بھی زیادہ خوشی ہو۔ جو آپ کو بی۔ایم۔ڈبلیو گاڑی ملنے سے حاصل ہو۔

انسان جتنا بھی فقیر ہو وہ اپنے سے زیادہ ضرورت مند کو کچھ نہ کچھ دے سکتا ہے۔ ایک چھوٹا ملازم جس کی تنخواہ 6 ہزار روپے ہو اگر وہ اس میں سے سو روپیہ نکال لے تو اسے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔

اسی طرح اگر کسی کو تجارت میں دس لاکھ کا فائدہ ہوا ہے وہ اس میں سے چند ہزار اگر اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو اسے کیا فرق پڑے گا۔

آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ کا دیا ہوا یہ مال مفت میں جائے گا۔ واللہ ایسا نہیں ہے۔ آپ آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی اس سے کئی گنا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

قارئین کرام! اس کا میں نے ذاتی طور پر تجربہ کیا ہے۔

چلیے میں آپ کو اپنی ذاتی زندگی کی ایک خوبصورت کہانی سناتا ہوں۔ یہ 1976ء کی بات ہے۔ میں دوآبہ رائس ملز حافظ آباد میں ملازم تھا۔ عیدالاضحیٰ کا موقع آیا تو میری خواہش تھی کہ ہم لوگ بھی قربانی کے لیے بکرا خریدیں مگر گھر کے حالات اجازت نہیں دیتے تھے۔ میں نے کوشش کر کے کچھ رقم جمع کی۔ قربانی کی رقم میں سے ایک سو روپے کم تھے۔ والد محترم سے مشورہ کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو سو روپیہ قرض اٹھا کر قربانی دی جا سکتی ہے۔ والد صاحب نے اجازت دے دی۔ میں نے اپنے ایک کولیگ سے سو روپیہ قرض لیا۔ سبحان اللہ! آج 36 سال گزرنے کے باوجود مجھے اس کا نام یاد ہے۔ اس کا نام ضمیر حیدر تھا۔ 100 روپیہ قرض لے کر قربانی دے دی۔ اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اس روز کے بعد غربت نہیں دیکھی۔ اس کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کے ساتھ تجارت ہے۔

میں اپنا سرمایہ ایسی تجارت میں لگا رہا ہوں جس میں سات سو گنا بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ اجر ملتا ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾

''ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی طرح ہے جو سات بالیاں اگاتا ہے اور ہر بالی میں سو دانے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور اللہ بڑا وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔'' (البقرۃ 2:261)

قارئین کرام! ہمیں جب بھی عسرت و تنگی کا سامنا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ جلد ہی اس سے نکلنے کی کوئی تدبیر کر دیتا ہے۔ جب بھی مجھے کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے حصول کا کوئی نہ کوئی ذریعہ بنا دیتا ہے۔

کیا اس شخص کو عقل مند کہیں گے جو دنیا میں کسی جگہ سرمایہ کاری کرتا ہے اسے بمشکل پانچ فی صد نفع ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس میں بھی حرام کی آمیزش ہوتی ہے۔ کئی دفعہ کمپنی دیوالیہ ہو جاتی ہے۔ لوگ مال ہڑپ کر جاتے ہیں۔ کمپنی حادثے کا شکار ہو جاتی ہے۔ آگ لگ جاتی ہے۔ یہ شخص اس بڑی سرمایہ کاری کو نظر انداز کر دیتا ہے جس میں ایک سو روپیہ لگانے سے ستر ہزار روپیہ نفع ملتا ہے۔ نہ کمپنی کے دیوالیہ ہونے کا ڈر، نہ آگ لگنے یا کسی اور حادثہ کا خطرہ۔ اس میں یہ خطرہ بھی نہیں کہ کوئی مال ہڑپ کر جائے گا۔ آیئے دیکھیں کہ قرآن کریم کیا فرماتا ہے:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَّمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

''اور وہ دوسروں کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود ان کو سخت حاجت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کی بخیلی سے بچا لیا گیا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' (الحشر 59:9)

عورتوں میں ایمان اور شفقت کے جذبات زیادہ پائے جاتے ہیں۔ میں اپنی معزز خواتین سے مخاطب ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میری بات صدا بصحرا ثابت نہیں ہوگی بلکہ اس کا اثر ہوگا۔

قارئین کرام! کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہمارے گھروں میں اکثر دیکھتے ہیں کہ گھروں میں بہت سے پرانے کپڑے ہوتے ہیں جنھیں ہم استعمال نہیں کرتے۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم انھیں ضائع کرنے کی بجائے ضرورت مندوں کو تلاش کر کے انھیں پہنچائیں تو کتنے لوگوں کا بھلا ہو جائے۔

اسی طرح فرنیچر، بستر اور دیگر سامان جو ہمارے استعمال کے قابل نہ رہے یا ہم اسے تبدیل کرنا چاہتے ہوں تو اسے پھینکنے کی بجائے ضرورت

مندوں تک پہنچائیں۔

جن گھروں میں کھانے پینے کی فراوانی ہے وہاں کھانا ضائع کرنے کی بجائے مستحقین تک پہنچائیں۔ کوئی ضرورت مند گھر تلاش کر کے انھیں یہ چیزیں پہنچائیں آپ تصور نہیں کر سکتے انھیں کتنی خوشی ہو گی۔

کسی فقیر کو کچھ دیتے وقت آپ کے چہرے پر غرور، تکبر اور نخوت کے آثار نہیں ہونے چاہئیں۔ مسکراتے ہوئے خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ دیا ہوا دس روپے کا عطیہ اس ہزار روپے کے عطیے سے بہتر ہے جسے دیتے وقت آپ کے ماتھے پر تیوری ہو اور آپ لینے والے کو حقیر سمجھ رہے ہوں۔

ایک مشہور عالم دین نے اپنی چند سالہ بیٹی کو دیکھا کہ وہ رمضان میں دو پلیٹوں میں کھانا ڈالے چوکیدار کو دینے جا رہی تھی۔ انھوں نے کہا: بیٹی! ان پلیٹوں کو ایک ٹرے میں رکھو۔ چھری، کانٹا بھی ساتھ رکھو۔ صاف ستھرے برتن میں پانی بھی رکھو۔ پھر اسے پیش کرو۔ کھانا وہی ہے جو تم پہلے پیش کرنے جا رہی تھی، پلیٹوں میں ڈال کر دینے سے وہ سمجھے گا کہ یہ لوگ مجھے سائل سمجھ رہے ہیں۔ بڑے اہتمام کے ساتھ رکھ کر دینے سے اس کے اندر یہ تاثر ابھرے گا کہ میں ایک معزز مہمان ہوں۔

صدقہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ امیر گھرانوں کی خواتین بھی پھل اور سبزیاں بیچنے والے افراد سے ایک ایک روپے کے لیے بحث کرتی ہیں، حالانکہ انھیں ان روپوں سے کچھ فرق نہیں پڑتا لیکن غریب سبزی یا پھل فروش کو فرق پڑتا ہے۔ ان کے لیے ایک ایک روپے کی بڑی اہمیت ہے۔ میری معزز خواتین سے درخواست ہے کہ ان غریب پھل یا سبزی فروشوں سے بھاؤ تاؤ میں نرمی برتیں۔ اگر آپ کو چند روپے کا نقصان ہو جائے تو اسے صدقہ سمجھیں۔

اگر آپ اس کو خود نمائی نہ سمجھیں تو میں آپ کو یہ بات بتانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ میں بعض دکانوں سے صرف اس لیے خریداری کرتا ہوں کہ انھیں فائدہ ہو جائے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر چیزیں قدرے مہنگی ہیں، ان کا معیار بھی بہت اعلیٰ نہیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ دکاندار نے داڑھی رکھی ہوئی ہے یا نمازی ہے، یا اس کا کاروبار بہت اچھا نہیں تو اسے فائدہ پہنچانے کے لیے میں اس سے چیزیں خرید لیتا ہوں۔ اس سے کہتا ہوں کہ مجھے ڈسکاؤنٹ نہیں چاہیے۔ کبھی کبھار جو پیسے مانگتا ہے اس سے قدرے زیادہ دے دیتا ہوں۔

قصہ مختصر: معزز قارئین! ہم میں سے جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے طاقتوروں کو جھکا دے اسے چاہیے کہ خود کمزوروں کے لیے جھک جائے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے سے کمزور شخص کی جگہ پر رکھ کر دیکھنا چاہیے کہ اگر ہم اس شخص کی جگہ پر ہوتے تو ہمارا کیا بنتا۔ ہر شخص کو چاہیے اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔

پھر عرض کروں گا کہ نعمتیں صرف شکر کرنے سے ہی باقی رہتی اور بڑھتی ہیں۔ شکر محض زبان سے چند الفاظ ادا کر دینے کا نام نہیں۔

اگر کوئی شخص مالدار ہونے کے باوجود بخل کرتا ہے۔ صاحب مرتبہ ہونے کے باوجود کمزوروں کی دادرسی نہیں کر سکتا۔ حاکم ہونے کے باوجود رعایا کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ چاہے وہ ہزار مرتبہ بھی زبان سے الحمدللہ۔ سبحان اللہ کہتا رہے۔ اپنے قول و فعل کے تضاد کی وجہ سے وہ جھوٹا اور ریاکار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اپنے افعال کے ذریعے شکر ادا کریں۔ لوگوں سے اسی طرح احسان کریں جس طرح آپ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے احسان کرے۔

معزز قارئین کرام! میں جس چیز کی طرف دعوت دے رہا ہوں یہ ہمیں اپنے مخالفین، اپنے حاسدین کے خلاف فتح یاب کر سکتی ہے۔

عبدالمالک مجاہد



محمد نعمان فاروقی
ریسرچ فیلو دارالسلام

قرآنِ مجید کا ایک سوال

سیلاب زدہ قوموں کا تذکرہ... اور اپنا جائزہ

حالیہ سیلاب نے ملک کے طول وعرض پر جو تباہی پھیلائی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ قیمتی جانیں سیلاب کی نذر ہوئیں، املاک کو نقصان پہنچا، فصلیں تباہ ہوئیں اور اس قسم کے بہت سے بحرانوں کا قوم کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ سیلاب تو اللہ کے حکم سے رک جائے گا مگر اس کے اثرات کئی سالوں تک رہیں گے جیسا کہ گزشتہ سالوں میں آنے والے سیلاب کے اثرات اب تک موجود تھے اور اوپر سے مزید سیلاب نے آگھیرا۔

مقام غور یہ ہے کہ اگر میڈیا کی آنکھ یہ ساری تباہی دیکھ رہی ہے تو اللہ تعالیٰ سے بھی کچھ مخفی نہیں ہے۔ وہ تو ہر اس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی اور نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی اور جو آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے۔ (سبا 2:34) اور ہمارا یہ بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ نے سابقہ قوموں کی تباہی کا ذکر کرکے فرمایا ہے: ''اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا بلکہ وہ اپنے اوپر خود ظلم کرنے والے تھے۔'' (التوبۃ 70:9)

عمومی حالات میں اللہ اسی قدر بارش برساتا ہے جس قدر ضرورت ہوتی ہے۔ اور بارش کا مناسب مقدار میں نزول بھی اس کے عظیم احسانات میں سے ہے۔ اس کا اندازہ اس وقت ہوا جب بارش ضرورت سے زیادہ برسی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ﴾ ''اور ہم نے آسمان سے مناسب مقدار میں پانی نازل کیا۔'' (المؤمنون 18:23) یعنی پانی اتنا تھوڑا بھی نہیں کہ ضرورت پوری نہ ہو اور اتنا زیادہ بھی نہیں کہ سیلاب کی صورت اختیار کر جائے اور تباہی کا باعث بنے۔ پانی بادلوں سے ایک جگہ اکٹھا نہیں گرتا کہ نیچے آنے والے دب جائیں اور زمین پھٹ جائے بلکہ قطروں کی صورت میں نازل ہوتا ہے اور جہاں بارش نہیں ہوتی وہاں تک ندی نالوں کی صورت میں پانی پہنچ جاتا ہے۔ ندی، نالوں اور نہروں کا اپنی حدود کے اندر رہ کر بہنا بھی اسی کا فضل ہے: ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا﴾ ''اس نے آسمان سے پانی نازل کیا تو ندیاں اپنے اندازے کے مطابق بہہ پڑیں۔'' (الرعد 17:13)

اللہ نے ہر چیز کو حدود اور مقدار میں رکھا ہے اور انسانوں کو بھی اپنی حدود کے اندر رہنے کا حکم دیا ہے مگر ہم خود حدود سے تجاوز اور اپنے آپ پر ظلم کرتے ہوئے اللہ کے عذابوں کو دعوت دیتے ہیں اور عذاب کا کوڑا برسنے کا جواز فراہم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قوموں کو ان الفاظ سے جھنجھوڑا



ہے: ﴿اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِی کُلِّ عَامٍ مَرَّۃً اَوْمَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَایَتُوبُوْنَ وَلَاھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ﴾ ''کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ انھیں آزمائش سے دوچار کیا جاتا ہے، پھر بھی وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔''(التوبۃ 126:9) اس آیت پر غور کرنے کا ایک انداز تو یہ ہے کہ ہم کہیں کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں اتری اور ہم مومن ہیں۔ دوسرا انداز یہ ہے کہ اپنے اندر نفاق کے خدشات محسوس کرتے ہوئے اس بات کا جائزہ لیں کہ حقیقت تو یہی ہے کہ ہر سال ہم کسی نہ کسی بحران کا شکار ہوتے ہیں مگر توبہ بھی نہیں کرتے اور نصیحت بھی نہیں لیتے۔

ہم قرآن مجید کے مطالعے کے دوران اپنی طرف سے ایک نوع بندی کر لیتے ہیں کہ یہ آیات مشرکوں کے بارے میں ہیں، یہ منافقوں کے بارے میں، یہ کافروں کے بارے میں، یہ فرعونیوں کے بارے میں، یہ عادیوں کے بارے میں اور یہ ثمودیوں کے بارے میں، حالانکہ قرآن مجید کا ان واقعات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سابقہ قوموں کی تباہی سے نصیحت حاصل کی جائے اور قرآن مجید نے غیر مسلموں کی جس روش کو واضح کیا ہے اس سے اپنا دامن مکمل طور پر بچایا جائے۔ سورۂ قمر میں اس مقصد کو بڑے واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سورت میں ایک آیت مبارکہ ﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُدَّکِرٍ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟'' چار مرتبہ دہرائی گئی ہے۔ اور اس میں بھی ایک خاص ترتیب ملحوظ ہے۔ پہلے قوم نوح کی ہلاکت کا ذکر ہے اور بعد میں یہی مذکورہ آیت۔ پھر قوم عاد کی تباہی کا ذکر ہے اور اس کے بعد یہی آیت لائی گئی ہے، بعد ازاں قوم ثمود کی بربادی کا ذکر ہے اور اس کے بعد یہی آیت درج ہے، پھر قوم لوط کے صفحۂ ہستی سے مٹنے کا ذکر ہے اور اس کے بعد یہی مذکورہ آیت لائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اسی سورت میں ﴿فَھَلْ مِنْ مُدَّکِرٍ﴾ کے الفاظ اس آیت کے علاوہ دو دفعہ مزید بھی آئے ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں واقعات کے بیان کا اصل مقصد یاددہانی، تذکیر اور نصیحت ہے۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو اس آیت کو سنتے یا پڑھتے ہیں مگر نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ مگر کئی خوش نصیب ایسے بھی ہیں جو اس سوال کا جواب ''کہ ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟'' اپنی عملی زندگی کی روشنی میں دیتے ہیں کہ اے اللہ! تو مالک و خالق ہو کر ہم سے اس انداز سے پوچھ رہا ہے تو ہم مخلوق ہو کر یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نصیحت حاصل کرنے والے ہیں۔

موجودہ صورت حال کے پیش نظر نصیحت حاصل کرنے کا ہم یہ انداز اختیار کرتے ہیں کہ سابقہ قوموں میں سے جن جن قوموں کو سیلاب یا پانی کے عذاب سے غرق کیا گیا ان میں موجود خامیوں اور جرائم کا جائزہ لیں اور ان جرائم سے خود بھی رکیں اور دوسروں کو بھی روکیں کیونکہ سزا عموماً اسی نوعیت کی ہوتی ہے جس نوعیت کا جرم ہوتا ہے۔ لہٰذا پانی کے عذاب سے دوچار کچھ قوموں کا تذکرہ ان کے جرائم سمیت کیا جاتا ہے:

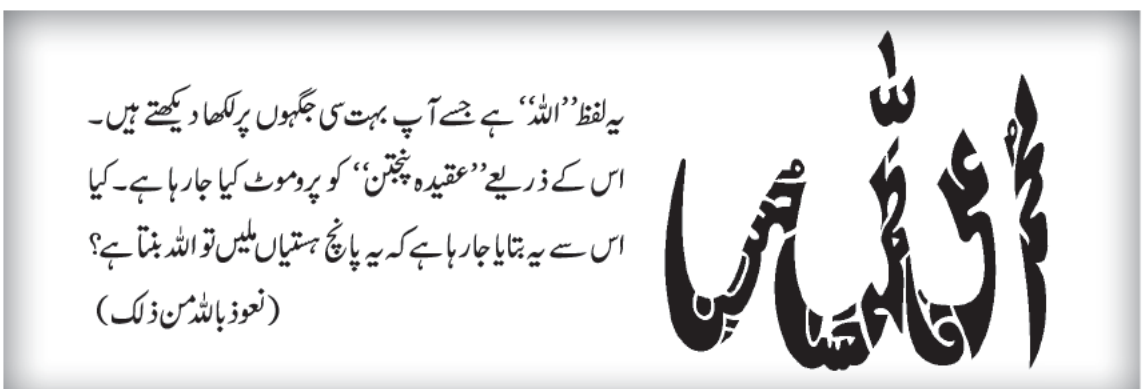
جن قوموں کو سیلاب کے عذاب سے دوچار کیا گیا

① نوح علیہ السلام کی قوم: نوح علیہ السلام کی قوم کو اللہ نے سیلاب کے عذاب میں تباہ کیا۔ آیئے قرآن مجید میں بیان کردہ ان کی خامیوں اور جرائم سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

شمار	جرائم	آیات	حوالہ جات	موجودہ مسلمانوں میں خامیوں کی صورت
①	حق کی بات نہ سننا	﴿جَعَلُوا اَصَابِعَھُم فِی اٰذَانِھِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَھُمْ﴾ ''اپنی انگلیوں کو کانوں میں کر لیتے ہیں اور کپڑے ڈھانپ لیتے ہیں۔''	(نوح 7:71)	دعوتِ دین کے سننے سے یوں ہی کنارہ کش رہتے ہیں۔ بس ایک خاص طبقہ ہے جو وعظ و نصیحت سنتا ہے۔
②	رسول کی نافرمانی	﴿اِنَّھُمْ عَصَوْنِی﴾ ''انھوں نے میری نافرمانی کی۔''	(نوح 21:71)	ہم بھی ہر جگہ اور تقریباً ہر موقع پر اپنے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں۔



③	دوسروں کی پیروی	﴿وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗ اِلَّا خَسَارًا﴾ ''اور انھوں نے اس (سردار وغیرہ) کی پیروی کی جو ان کے مال اور اولاد کے خسارے میں اضافے ہی کا باعث بنا۔''	(نوح 21:71)	رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی بجائے دیگر اقوام و مذاہب کی روش کو اپنانا اور اپنے وڈیروں، چوہدریوں اور قائدین کے حکم پر چلنا ہماری اجتماعی روش ہے۔ حالانکہ یہ ہمارے لیے نقصان دہ ہے۔
④	دعوت کے خلاف منصوبہ بندیاں	﴿وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا﴾ ''اور انھوں نے بہت بڑا مکر کیا۔''	(نوح 22:71)	اسلام کے خلاف منصوبہ بندیاں جاری ہیں جیسے صوفی ازم کی ترویج اور جہاد کو دہشت گردی قرار دینے کی کوشش اور صحیح اور سچی دعوت کے سامنے رکاوٹیں۔
⑤	خودساختہ پانچ خداؤں کا عقیدہ	﴿وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾ ''منصوبہ ساز دوسرے لوگوں سے کہنے لگے کہ تم ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا۔''	(نوح 23:71)	آج بھی بے شمار خداؤں کا عقیدہ مسلمانوں میں رائج ہے اور مختلف ضروریات کے پیش نظر مختلف آستانوں کا سفر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے مختلف جگہوں پر لفظ اللہ کو اس انداز سے لکھا دیکھا ہوگا کہ لفظ اللہ میں محمد ﷺ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام لکھے ہوتے ہیں۔ اگرچہ ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر جیسی پانچ شخصیات کو ان ہستیوں سے کوئی نسبت نہیں مگر ایسے سٹیکر چسپاں کرنے والے کیا پیغام دینا چاہتے ہیں کہ پانچ مل کر ''اللہ'' بنتا ہے یا کوئی اور؟؟ وہ تصویر ذیل میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔



یہ لفظ ''اللہ'' ہے جسے آپ بہت سی جگہوں پر لکھا دیکھتے ہیں۔ اس کے ذریعے ''عقیدہ پنجتن'' کو پروموٹ کیا جا رہا ہے۔ کیا اس سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ پانچ ہستیاں ملیں تو اللہ بنتا ہے؟ (نعوذ باللہ من ذلک)



⑥	ضد اور ہٹ دھرمی	﴿وَاَصَرُّوا﴾ ''اور وہ اڑے رہے''	(نوح 7:71)	غلط موقف پر ڈھٹائی اکثر مسلمانوں کا طرز عمل ہے۔
⑦	تکبر	﴿وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا﴾ ''اور انھوں نے انتہائی تکبر کیا۔''	(نوح 7:71)	حق کو ٹھکرا دینا ہی تکبر ہے (الحدیث) اور مسلمان اس میں بڑے ماہر ہیں۔
⑧	نوح علیہ السلام سے مذاق	﴿وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوْا مِنْهُ﴾ ''اور جب بھی ان کی قوم کے وڈیرے ان کے پاس سے گزرتے تو وہ ان سے مذاق کرتے۔''	(ھود 38:11)	موجودہ مسلمان اپنے رسول کے ساتھ استہزا کو تو برداشت نہیں کرتے مگر رسول اللہ ﷺ کے دین کے ساتھ مذاق اور سنتوں کا استہزا اور حقارت مسلمانوں کا وتیرہ بن چکا ہے۔
⑨	رسولوں کی تکذیب	﴿وَقَوْمَ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنَاهُمْ﴾ ''اور نوح علیہ السلام کی قوم جب انھوں نے رسولوں کی تکذیب کی ہم نے انھیں غرق کر دیا۔''	(الفرقان 37:2)	ہمارے ہاں زبان سے تکذیب تو نہیں ہوتی مگر عملی تکذیب کی بہت سی صورتیں رائج ہیں۔
⑩	رسول کی اتباع کرنے والوں کو حقیر سمجھنا	﴿قَالُوْا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ﴾ ''وہ کہنے لگے ہم آپ پر ایمان لائیں حالانکہ آپ کی پیروی تو ہمارے گھٹیا لوگوں نے کی ہے؟''	(الشعراء 111:26)	رسول اکرم ﷺ کی اتباع کرنے والوں کو آج بھی متعدد مسلم حلقوں میں انتہائی حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ خصوصاً میڈیا پر ان کی بڑی تحقیر کی جاتی ہے۔
⑪	نوح علیہ السلام کو دھمکیاں	﴿قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ﴾ ''انھوں نے کہا: اے نوح! اگر آپ باز نہ آئے تو آپ رجم شدہ لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔''	(الشعراء 116:26)	رسول اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین کی دعوت دینے والوں کو مختلف قسم کی دھمکیاں اور سزائیں دی جاتی ہیں اور عرصۂ حیات تنگ کیا جاتا ہے۔

یہ ایک خاکہ تھا جس کی جزئیات کو مزید پھیلایا بھی جا سکتا ہے مگر بڑی بڑی خامیاں تقریباً سامنے آ گئیں۔

فرعون اور اس کے پیروکار بھی پانی میں غرق ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ﴾ ''اور ہم نے آل فرعون کو پانی میں غرق کیا۔'' (البقرۃ 50:2) اب ہم فرعون اور اس کے پیروکاروں کے جرائم کا جائزہ لیتے ہیں۔

② فرعون اور اس کی قوم کے جرائم:

شمار	جرائم	آیات	حوالہ جات	موجودہ مسلمانوں میں خامیوں کی صورتیں
①	آیات کی تکذیب	﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ﴾ ''انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کو پکڑ لیا۔''	آل عمرٰن 11:3	آج بھی اعتقادی اور عملی اعتبار سے آیات میں تحریف اور تکذیب کی جاتی ہے۔



②	زمین میں فساد	﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ ''پھر دیکھیے فساد کرنے والوں کا انجام کیا ہوا''	الأعراف 103:7	فرقہ واریت، جھگڑوں، حق تلفیوں اور دہشت گردیوں سے فساد ہو رہا ہے۔ زمین پر فساد اللہ کو پسند نہیں۔
③	رسولوں پر الزام تراشیاں	﴿اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ﴾ ''بے شک یہ تو ماہر جادوگر ہے۔''	الأعراف 109:7	شکر ہے مسلمان اس حد تک نہیں گئے مگر ایسے کافروں اور گستاخوں کے لیے کوئی لائحہ عمل بھی تیار نہیں کیا۔
④	تکبر	﴿فَاسْتَكْبَرُوْا﴾ ''تو انھوں نے تکبر کیا۔''	یونس 75:10	حق کو ٹھکرانا تکبر ہے۔
⑤	مجرم قوم / جرائم پیشہ لوگ	﴿وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ ''اور وہ لوگ مجرم تھے۔''	یونس 75:10	مختلف اخلاقی اور شرعی جرائم میں مسلمان ملوث ہیں۔
⑥	موت سے پہلے تک بغاوت اور سرکشی پر اڑے رہنا	﴿حَتّٰى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ﴾ ''جب فرعون غرق ہونے لگا تو اس نے کہا میں ایمان لاتا ہوں۔''	یونس 90:10	مسلمانوں کی اکثریت مختلف جرائم میں پھنسی رہتی ہے اور آخر عمر میں توبہ کرنے کی امید سے توبہ سے محروم رہ جاتی ہے۔
⑦	موسیٰ علیہ السلام کی بجائے فرعون کی پیروی	﴿فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَ مَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ﴾ ''تو انھوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم بھلائی والا نہیں تھا۔''	ھود 97:11	کتنے ہی مسلمان وقت کے فرعونوں کی نہ صرف پیروی کر رہے ہیں بلکہ ان کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ اور اسے اپنی بہت بڑی سعادت سمجھتے ہیں۔
⑧	اہل حق پر عرصہ حیات تنگ کرنا	﴿فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ ''فرعون نے ارادہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو زمین سے اکھاڑ دے۔''	بنی اسراء یل 103:17	اہل حق کے سامنے مختلف قسم کی مشکلات کھڑی کرنا اسی فرعونیت ہی کا ایک تسلسل ہے۔ اور یہ کام مسلم حکومتوں کی وساطت سے ہو رہا ہے۔
⑨	لوگوں کو گمراہی میں رکھنا	﴿وَ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَ مَا هَدٰى﴾ ''اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ رکھا اور (انھیں) سیدھی راہ نہ بتائی۔''	طٰہٰ 79:20	اکثر فرعون صفت وڈیرے اور چودھری اپنے ماتحتوں کو ایسے ہی گمراہی میں رکھتے ہیں۔
⑩	استہزا	﴿فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى﴾ ''ہامان! میرے لیے ایک محل تعمیر کرو شاید میں موسیٰ کے الٰہ پر مطلع ہو سکوں۔''	القصص 38:28	استہزا پر بات پہلے گزر چکی ہے۔



⑪	قتل کی دھمکیاں	﴿ذَرُوْنِی اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّه﴾ ''مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کروں اور اسے چاہیے کہ اپنے رب کو بلالے۔''	مؤمن 26:40	آج رسول ﷺ کو ماننے والوں اور اتباع کرنے والوں کو اسی انداز سے دھمکیاں ملتی ہیں۔
⑫	موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی	﴿ فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ﴾ ''فرعون نے رسول کی نافرمانی کی۔''	المزمل 16:73	رسولوں کے حق میں اکثر امتیوں کا طرز عمل یہی رہا ہے، حتی کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے بھی پیغمبر ﷺ کی نافرمانی ہی نہیں بلکہ مخالفت کی راہ اپنائی ہوئی ہے۔

③ قوم سبا:

اسی طرح اہل سبا پر بھی اللہ نے بند توڑ عذاب بھیجا، آیئے سورۂ سبا کی روشنی میں اس کا مختصر جائزہ لیتے ہیں:

سبا یمن کے بادشاہ اور وہیں کے باسی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کو بہت سی نعمتوں سے نوازا تھا۔ دائیں اور بائیں پھلوں کے باغات، مناسب فاصلے پر بستیاں، دن اور رات کا پرامن سفر، وافر رزق، عمدہ علاقہ اور بخشنے والا رب۔ یہ ہے قرآن مجید میں بیان کردہ سبا کے علاقے کی منظر کشی۔ (دیکھیے سبا 34:15-19) مگر قوم سبا نے ان تمام نعمتوں کی قدر نہ کی اور ناشکری پر اتر آئے، پھر اللہ نے ان پر بند (توڑ) سیلاب بھیجا اور ان کے دائیں اور بائیں کے بہترین باغوں کے بدلے بدمزہ میوے اور جھاؤ کے درخت اور تھوڑے بہت بیر کے درخت اگنے لگے۔ اللہ نے اس کا ذکر کرکے بعد میں فرمایا ہے: ﴿ذٰلِکَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا کَفَرُوْا﴾ ''ان کی ناشکری کی پاداش میں ہم نے انھیں (سیلاب کے) عذاب سے دوچار کیا۔''

ہم بحیثیت قوم ناشکری کے ارتکاب کے بہت عادی ہو چکے ہیں۔ قدم قدم پر ناشکری، زبان زبان پر ناشکری۔ نعمتوں کی ناقدری اور ان کا غیر محتاط استعمال، بے جا اسراف اور ایسی بہت سی خرابیاں ہمارے اندر فروغ پا رہی ہیں۔ اس کی سزا کے طور پر ہم کئی سالوں سے سیلاب کے عذاب میں گرفتار ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ سیلاب آنے کے بعد امدادی کارروائیوں کے ساتھ ساتھ سیلاب کا باعث بننے والے جرائم کا بھی سدباب کروائے۔

قرآن مجید کی زبان میں ہم میں سے ہر کسی سے سوال ہو تو اس کی عبارت یہی بنے گی: ''ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟'' اللہ کرے ہماری زندگی کی راہیں اور ہماری سوچ کے زاویے اس آیت کا جواب بن جائیں۔

اسوۂ رسول ﷺ

مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

آپ ﷺ کی سیرت جامع بھی ہے اور اکمل بھی۔ جامع کا مطلب ہے کہ آپ کی ذات اقدس میں سب کمالات جمع ہیں۔ اور اکمل کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سب کمالات کامل ہیں، یعنی آپ کے ہر کمال کو حد درجہ کمال حاصل ہے..... دوسرے الفاظ میں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ خالق کائنات نے ذات محمد ﷺ میں کوئی عیب اور سقم نہیں رکھا۔ نہ کوئی ظاہری عیب، نہ کوئی باطنی عیب، یعنی آپ کو عیوب و نقائص سے مبرا فرمادیا..... آپ کی مبارک زندگی کے جس قدر پہلو ہیں وہ سب کے سب دلآویز ہیں، اور جس قدر حیثیتیں ہیں وہ سب کی سب تکمیل بردوش اور دلربا ہیں۔ اگر آپ کی ذات والاصفات میں یہ کمالات اور خوبیاں نہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اسوۂ مبارک کو دنیا کے سامنے یوں ڈنکے کی چوٹ پیش نہ فرماتا جیسا آیت مبارکہ ﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ میں فرمایا۔ سچ کہا کسی نے

جو حسن ہے جہاں میں تو حسن رسول ہے　　یہ کہکشاں تو ان کے قدموں کی دھول ہے



مولانا فضل اکبر کاشمیری

صالحین کی کرامات

❶ ابوخلدہ بیان کرتے ہیں، میں نے ابوالعالیہ سے کہا: کیا انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے احادیث سنی ہیں؟ انھوں نے کہا: انھوں نے آپ ﷺ کی دس سال خدمت کی ہے اور نبی ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی۔ اس دعا کے نتیجے میں ان کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیا کرتا تھا، اور اس میں کستوری جیسی خوشبو آتی تھی۔ (جامع الترمذی: 3833)

❷ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو انھوں نے کہا: معلوم نہیں کہ جس طرح ہم اپنے فوت ہونے والے دیگر افراد کے (بوقت غسل) کپڑے اتار دیتے ہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے بھی کپڑے اتار دیں یا ہم آپ کو کپڑوں سمیت غسل دیں، جب انھوں نے اختلاف کیا تو اللہ نے ان پر نیند طاری کر دی حتی کہ ان میں سے ہر شخص کی ٹھوڑی اس کے سینے کے ساتھ لگنے لگی، پھر گھر کے ایک کونے سے کسی نے ان سے بات کی مگر صحابہ کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون تھا۔ (اس نے کہا:) نبی کریم ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دو، وہ کھڑے ہوئے اور آپ کو اس طرح غسل دیا کہ آپ کی قمیص آپ پر تھی، وہ قمیص کے اوپر پانی گراتے تھے اور آپ کی قمیص کے ساتھ ملتے تھے۔ (سنن أبی داود: 3141، وسنن ابن ماجه: 1464)

❸ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب غزوۂ احد کا وقت آیا تو رات کے وقت میرے والد نے مجھے بلایا اور کہا: میں اپنے متعلق سمجھتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سب سے پہلے میں شہید ہوں گا، رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کے علاوہ میں اپنے بعد تجھ سے زیادہ عزیز شخص کوئی نہیں چھوڑ کر جا رہا، میرے ذمے کچھ قرض ہے اسے ادا کرنا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، صبح ہوئی تو وہ سب سے پہلے شہید تھے، میں نے انھیں ایک دوسرے شخص کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیا۔ (صحيح البخاري: 1351)

❹ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، جب نجاشی فوت ہوئے، تو ہم باہم گفتگو کرتے تھے کہ ان

کی قبر پر مسلسل روشنی نظر آرہی ہے۔ (سنن أبی داود: 2533)

❺ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کا اپنا تیار کردہ ایک مصحف ان کی اپنی گود میں تھا اور اس آیت کے جملہ ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ﴾ پر ان کے خون کے چھینٹے گرے بلکہ خون کی دھار بھی پڑی۔ (فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 161/2) کہا جاتا ہے یہ مصحف آج بھی ترکی میں موجود ہے۔

❻ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بہت عرصہ بعد ایک نوجوان نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کی تو بغداد کی جامع مسجد کی چھت سے ایک بڑا سانپ گرا اور اس نوجوان کے پیچھے دوڑنا شروع کیا۔ جب اس شخص نے توبہ کی تو سانپ غائب ہوگیا۔ یہ نوجوان اہل الرائے میں سے تھا، یعنی حنفی تھا۔ (کتابُ الأربعین لِابن تیمیة محقق، ص: 65)

❼ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: ابن عباس رضی اللہ عنہ طائف میں فوت ہوئے اور میں آپ کے جنازے میں موجود تھا۔ اسی دوران ایک بے مثال اور اجنبی قسم کا پرندہ آکر آپ کی چارپائی یا تابوت میں داخل ہوکر غائب ہوگیا اور اسے کسی نے بھی باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جب آپ کو دفن کیا گیا تو قبر کے ایک کنارے پر یہ غیبی آواز سنی گئی: اے مطمئن روح! اپنے رب کی طرف راضی مرضی حالت میں واپس ہوجاؤ، پھر میرے بندوں میں شامل ہوجاؤ اور جنت میں داخل ہوجاؤ۔ (فضائل الصحابة للامام احمد: 160/1، و سیر أعلام النبلاء: 358/3)

❽ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بدر کے دن ایک مجاہد ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ مشرک اس کے آگے آگے بھاگ رہا تھا۔ اسی دوران میں اوپر سے کوڑا پڑنے کی آواز مجاہد کے کان میں پڑی۔ ساتھ ہی ایک گھڑسوار کی آواز سنائی دی۔ وہ (اپنے گھوڑے کا نام لے کر) کہہ رہا تھا: ''اے حیزوم! آگے بڑھ۔'' اب مجاہد نے جونہی اپنے سامنے نظر دوڑائی تو وہی مشرک چاروں شانے چت گرا پڑا تھا۔ مجاہد نے اس کو دیکھا تو اس کی ناک پر کوڑے کا نشان تھا اور کوڑے کی ضرب سے اس کا چہرہ پھٹ چکا تھا۔ چہرے کا رنگ بدل کر سبز ہوگیا تھا۔ یہ منظر دیکھنے والا انصاری مجاہد آیا۔ اس نے سارا واقعہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے سچ کہا ہے، یہ مدد تیسرے آسمان سے آئی تھی۔ (صحیح مسلم: 1763)

❾ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ ان کے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ بدر کی جنگ میں شامل نہ ہوسکے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہوکر پہلی جنگ لڑنے سے غیر حاضر رہا، اب اگر اللہ نے مجھے موقع دیا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہوکر جنگ کروں تو اللہ دیکھے گا کہ میں کس بے جگری سے جنگ کرتا ہوں۔''

جب غزوۂ احد کے دن مسلمانوں کو عارضی شکست سے دوچار ہونا پڑا تو وہ فرمانے لگے: ''اے اللہ! ان مسلمانوں نے آج جو کچھ کیا اس سے میں تیرے حضور معذرت پیش کرتا ہوں، مشرکوں نے جو کچھ کیا، میں تیری جناب میں اس سے شدید کرب کا اظہار کرتا ہوں۔'' پھر آگے بڑھے تو ان کی ملاقات سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''سعد! کہاں جارہے ہو؟ مجھے تو دامنِ احد سے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھے اور لڑنے لگے، حتی کہ شہید کردیے گئے۔ (صحیح البخاري: 2805)

❿ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے پریشان دیکھا تو کہنے لگے: ''اے جابر! ادھر آؤ، میں تمھیں ایک بات بتلاؤں، اللہ تعالیٰ نے آج تک جس سے بھی بات کی پردے میں کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھارے والد کو سامنے بٹھا کر بات چیت کی۔ اللہ تعالیٰ پوچھنے لگا: ''اے میرے بندے! مجھ سے مانگو تمھیں عطا کروں۔'' اس پر تمھارے والد نے عرض کی: ''اے اللہ! مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ میں تیری خاطر دوسری بار قتل کیا جاؤں۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے عبداللہ سے کہا: ''یہ تو میرا فیصلہ ہوچکا کہ جو لوگ یہاں آگئے وہ واپس دنیا میں نہیں جاسکتے۔'' یہ سن کر عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''میرے پروردگار! پھر میرے پیچھے دنیا میں جو میرے ساتھی ہیں انھیں آگاہ کردے۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''جو اللہ کے راستے میں شہید کردیے گئے ان کے بارے میں مت خیال کرو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں، اپنے رب کے ہاں رزق دیے جاتے ہیں۔'' (جامع



الترمذی:3010، و سنن ابن ماجه: 2800)

⓫ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو قریش کے مشرکوں میں سے ایک شخص نے تیر مارا، اس کا نام ابن عرقہ تھا۔ تیر مارتے ہوئے اس نے کہا: ''یہ رہا میرا تیر اور میں ہوں عرقہ کا بیٹا!'' یہ تیر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بازو پر لگا، بازو کی بڑی رگ کٹ گئی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے اللہ کے حضور دعا کی: ''اے اللہ! جب تک بنو قریظہ کے بارے میں میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں، مجھے موت نہ دینا۔'' (صحیح مسلم: 1769، ومسند احمد: 350/3)

دورِ جاہلیت میں قریظہ کے یہودی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حلیف اور دوست ہوا کرتے تھے۔ بہرحال سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون بہنا بند ہو گیا۔

⓬ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جعفر بن ابی طالب کو دیکھا (جنت میں) بادشاہ بن کر دو پروں کے ساتھ اڑ رہا ہے۔'' (المستدرك للحاكم: 262/5)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''جعفر تو جبریل اور میکائیل کے ہمراہ پرواز کر رہا ہے، اس کے دو پر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دو ہاتھوں کے بدلے اسے عطا فرمائے ہیں۔'' (المستدرك للحاكم: 4937)

⓭ ایک دفعہ سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: ﴿انْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ ''ہلکے ہو یا بوجھل، اللہ کی راہ میں نکلو۔'' (التوبة 41:9) اور فرمانے لگے: میں سمجھتا ہوں کہ میرا رب یہ چاہتا ہے کہ ہم بوڑھے ہوں یا جوان، اس کے راستے میں نکلیں۔ میرے بچو! میرا زادِ سفر تیار کرو۔ آپ کے بیٹوں نے کہا: آپ نے رسول اللہ ﷺ، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر جہاد کیا ہے اور (اب) ہم آپ کی طرف سے جہاد کرتے ہیں تو انھوں نے فرمایا: میرا زادِ سفر تیار کرو، پھر وہ بحری بیڑے میں (جہاد کے لیے) سوار ہوئے اور سمندر میں فوت ہو گئے۔ مجاہدین کو کوئی جزیرہ نہیں مل رہا تھا جہاں انھیں دفن کیا جائے، لہٰذا میت (جہاز میں ہی) پڑی رہی۔ سات دنوں کے بعد جب جزیرہ ملا تو انھیں وہاں دفن کیا گیا اور ان کا جسم (ذرہ برابر) خراب نہیں ہوا تھا۔ (المستدرك للحاكم: 123/3)

⓮ سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاویہ (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) نے مدینے میں اپنے گورنر کی طرف لکھ بھیجا کہ وہ اُحد (پہاڑ) تک ایک چشمہ جاری کروا دے تو گورنر نے جواب دیا: یہ چشمہ شہیدوں کی قبروں کے پاس ہی سے گزر سکتا ہے تو انھوں (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا کہ اسے جاری کر دو۔ جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''پس میں نے دیکھا: ان (شہداء) کے اجسام (قبروں سے) لوگوں کی گردنوں پر نکالے جاتے تھے گویا وہ (شہداء) سو رہے ہیں، حتی کہ (سیدنا) حمزہ رضی اللہ عنہ کے قدم پر (کسی کھودنے والے کا) بیلچہ لگ گیا تو قدم سے خون جاری ہو گیا تھا۔ (المنتظم فی التاریخ، لإبن الجوزي: 94/3)

⓯ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں کھجور کی ایک بوری تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس میں سے کھجوریں روز بروز گھٹ رہی ہیں۔ ایک رات میں جاگتا رہا اور اس کی نگہبانی کرتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جانور مثل جوان لڑکے کے آیا۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا: تو انسان ہے یا جن؟ اس نے کہا: میں جن ہوں۔ میں نے کہا: ذرا اپنا ہاتھ تو دے۔ اس نے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اپنے ہاتھ میں لیا تو کتے جیسا ہاتھ تھا اور اس پر کتے جیسے ہی بال بھی تھے۔ میں نے کہا: کیا جنوں کی پیدائش ایسی ہی ہے؟ اس نے کہا: تمام جنات میں سب سے زیادہ قوت والا میں ہی ہوں۔ میں نے کہا: بھلا تو میری چیز پر کیسے دلیر ہو گیا؟ اس نے کہا: مجھے معلوم ہے کہ تو صدقہ کو پسند کرتا ہے۔ ہم نے کہا کہ پھر ہم کیوں محروم رہیں؟ میں نے کہا: تمھارے شر سے بچانے والی کون سی چیز ہے؟ اس نے کہا: آیت الکرسی۔ صبح جب میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے رات کا سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: خبیث نے یہ بات تو بالکل سچ کہی۔ (السلسلة الصحيحة: 3245)

⓰ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خزانے میں سے جنات چرا کر لے جایا کرتے تھے۔ میں نے آپ ﷺ سے شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو اسے دیکھے تو کہنا: «بِسْمِ اللّٰهِ اَجِيْبِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ» جب وہ آیا میں نے یہی کہا اور پکڑ لیا۔ اس نے کہا: میں اب نہیں آؤں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے قیدی نے کیا کیا؟'' میں نے کہا: میں نے، اسے پکڑ لیا تھا، لیکن اس نے وعدہ کیا کہ اب پھر نہیں آؤں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ پھر بھی آئے گا۔ میں نے اسے اسی طرح دو تین بار پکڑا اور اقرار لے کر چھوڑ دیا، میں

نے آپ ﷺ سے ذکر کیا اور آپ ﷺ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ وہ پھر بھی آئے گا۔ آخری مرتبہ میں نے کہا: اب میں تجھے نہ چھوڑوں گا۔ اس نے کہا: چھوڑ دے میں تجھے ایک ایسی چیز بتاؤں گا کہ کوئی جن اور شیطان تیرے پاس ہی نہ آسکے۔ میں نے کہا: اچھا بتا تو اس نے کہا کہ وہ آیت الکرسی ہے۔ میں نے آکر آپ ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا اگرچہ وہ جھوٹا ہے۔'' (جامع الترمذی: 2880)

17 ایک درویش آدمی جس کا نام جریج تھا، جنگل میں رہائش پذیر تھا۔ ایک فاحشہ اور زانیہ عورت نے اس پر اپنے ساتھ زنا کی تہمت لگا دی، تو اس درویش کی عفت و پاکدامنی کی شہادت اس زانیہ کے دودھ پیتے بچے نے بول کر دی۔ (صحیح البخاری: 3436)

18 سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی (اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ) سورۂ کہف پڑھ رہے تھے۔ ان کے ایک طرف ایک گھوڑا دو رسیوں سے بندھا ہوا تھا۔ اس وقت ایک بادل کا ٹکڑا اوپر سے آیا اور نزدیک سے نزدیک تر ہونے لگا۔ ان کا گھوڑا اس کی وجہ سے بدکنے لگا۔ پھر صبح کے وقت وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ بادل کا ٹکڑا قرآن کی تلاوت کی وجہ سے نازل ہونے والی سکینت تھی۔ (صحیح البخاری: 5011)

19 سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافق کہنے لگے کہ کتنا ہلکا جنازہ ہے اور وہ یہ بات اس لیے کہہ رہے تھے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے بنوقریظہ کے خلاف سخت فیصلہ کیا تھا۔ جب نبی اکرم ﷺ کو منافقین کے اس طعن کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً فرشتوں نے سعد رضی اللہ عنہ کی میت اور چارپائی کو اٹھا رکھا تھا۔'' (جامع الترمذي: 3849)

20 سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ لوگوں کے سامنے تھا اور سعد کی موت کی وجہ سے رحمان کا عرش ہلنے لگا۔'' (جامع الترمذی: 3848)

21 سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ''حنظلہ بن ابی عامر لڑتے ہوئے ابوسفیان کے پاس جا پہنچے، وہ اسے قتل کرنے ہی والے تھے کہ شداد بن اسود نے حنظلہ رضی اللہ عنہ پر تلوار کا وار کر کے انھیں شہید کر دیا۔ ان کی شہادت کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ سے کہا: ''تمھارے ساتھی حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں، اس کی بیوی سے پوچھو (کہ اس کا سبب کیا ہے؟)''

بیوی سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ جب حنظلہ نے معرکہ آرائی کا سنا تو اس پر غسل واجب تھا، لیکن وہ اللہ کے راستے میں اسی حالت میں نکل کھڑا ہوا۔ یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اسی وجہ سے فرشتوں نے حنظلہ کو غسل دیا۔'' (صحیح ابن حبان: 256/5)

22 محمد بن منکدر کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا۔ جب جنگِ اُحد کے دن میرے باپ نے جامِ شہادت نوش کیا تو میں رونے لگا، اور ان کے چہرے سے کپڑا اٹھانے کی کوشش کرنے لگا، اور صحابہ کرام مجھے روکنے لگے، لیکن رسولِ اکرم ﷺ مجھے نہیں روک رہے تھے، اور آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''اس پر آنسو نہ بہاؤ، فرشتے اس پر اپنے پروں کے ساتھ مسلسل سایہ کیے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ صحابہ نے اسے اٹھالیا۔ (صحیح البخاري: 4080)

23 اَروٰی نامی ایک عورت نے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ پر مروان بن حکم الاموی کی عدالت میں جھوٹا دعویٰ کر دیا کہ انھوں نے میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔ عدالت میں سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث سُنا کر فرمایا: اے میرے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اسے اندھا کر دے اور اسے اس کی زمین میں ہلاک کر۔ راوی حدیث (عروہ) کہتے ہیں کہ وہ عورت مرنے سے پہلے اندھی ہوگئی اور پھر وہ ایک دن اپنی زمین پر چل رہی تھی کہ ایک گڑھے (کنویں) میں گر کر مر گئی۔ (صحیح مسلم: 1610)

24 ابورجاء العطاردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کو بُرا نہ کہو، ہمارے بلجیم کے ایک پڑوسی نے (سیدنا) حسین رضی اللہ عنہ کو بُرا کہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اندھا کر دیا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی: 3-112 و 2830)

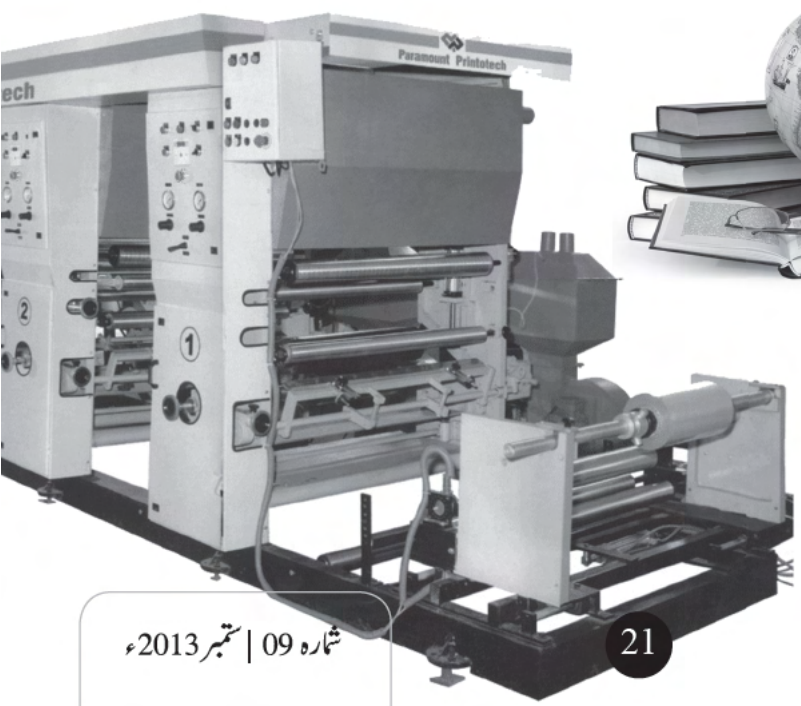
25 سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کے بارے میں جھوٹ بولا تو آپ نے اسے بددعا دی۔ یہ بددعا اس شخص کو لگ گئی اور وہ ذلیل و رسوا ہو کر مرا۔ (صحیح البخاری: 755)

❁❁❁❁

طباعت واشاعت کی دنیا

''جملہ حقوق محفوظ ہیں'' اور ''مضمون صرف ہمیں بھیجیں'' جیسی پابندیوں کا شرعی جائزہ

حافظ شبیر صدیق
ریسرچ فیلو دارالسلام







طباعت اور اشاعت سے متعلقہ کچھ قواعد و ضوابط ایسے ہیں جنھیں قانونی حیثیت حاصل ہے۔ اگر کوئی شخص یا ادارہ ان قوانین کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے خلاف عدالتی کارروائی کا اختیار ہوتا ہے۔ البتہ طباعت و اشاعت سے متعلقہ کچھ قواعد وضوابط ایسے ہیں کہ ان کی شرعی حیثیت کے حوالے سے ایک عام قاری شکوک و شبہات کا شکار رہتا ہے۔ زیرنظر مضمون میں ہم انھی قواعد وضوابط سے متعلق بحث کریں گے کہ آیا ان قواعد کا شرعاً کوئی جواز ہے کہ نہیں؟

''جملہ حقوق محفوظ ہیں''

عموماً یہ جملہ کسی بھی کتاب کے ابتدائی صفحے پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس جملے کے لکھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کا حق صرف متعلقہ ادارے کے پاس ہے۔ دوسرا کوئی ادارہ متعلقہ ناشر کی اجازت کے بغیر اس کتاب کو شائع نہیں کرسکتا۔ اس جملے سے ایک عام قاری کے ذہن میں یہ شبہ جنم لیتا ہے کہ یہ بھی ''کتمانِ علم'' کی ایک صورت ہے۔ آیا یہ شبہ درست ہے یا نہیں؟ یہ جاننے سے پہلے ضروری ہے کہ کتمانِ علم سے متعلق روایات اور ان کی تشریح میں محدثین علمائے کرام کے اقوال نقل کردیے جائیں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ احادیث میں جس علم کا بیان ہے اس سے مراد علم شرعی ہے نہ کہ علم دنیوی۔

① علم شرعی کی نشرواشاعت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ''اورتم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔ اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' (آل عمران 3:104)

② کتمانِ علم کی وعید سے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي



الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾ ''بے شک جو لوگ ہمارے نازل کردہ صریح دلائل اور ہدایت کی باتوں کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے لوگوں کے لیے ان کو کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، وہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔'' (البقرہ 159:2)

③ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ أَلْجَمَهُ اللّٰهُ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ''جس شخص سے کوئی علم کی بات پوچھی گئی اور اس نے اس بات کو چھپایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس آدمی کو آگ کی لگام پہنائے گا۔'' (سنن أبی داود: 3658)

④ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''لوگ یہ باتیں کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اگر کتاب اللہ میں یہ دو آیات ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى .....الخ﴾ (البقرۃ 160,159:2) نہ ہوتیں تو میں کبھی بھی کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔'' (صحیح البخاري: 118)

درج بالا نصوص کی روشنی میں جب ہم مذکورہ جملے ''جملہ حقوق محفوظ ہیں'' کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس قانون میں کوئی شرعی قباحت موجود نہیں ہے۔ مذکورہ نصوص میں جو وعید ذکر ہوئی ہے وہ علم کو چھپانے کے بارے میں ہے جبکہ اس کے برعکس کوئی بھی قرآن کا نسخہ یا کتاب جس پر یہ جملہ لکھا ہوتا ہے اس میں ایسی کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ بذات خود کتاب اس بات کی دلیل ہے کہ ہر شخص اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ اس کتاب کو کوئی اور شخص یا ادارہ شائع نہیں کر سکتا۔ دیگر وجوہات کی بنا پر اس قانون میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے۔ ایک ادارہ جب کسی مصنف سے کوئی کتاب لکھواتا ہے تو اس مصنف کو اس کتاب کا مکمل معاوضہ ادا کرتا ہے۔ اب اس کتاب کی اشاعت سے اخروی فائدے کے ساتھ ساتھ مالی فائدہ اٹھانا بھی اسی ادارے کا حق ہے۔

گویا کہ اس ادارے یا مؤلف نے علم چھپایا نہیں بلکہ منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔ اور تیاری کے مراحل میں بہت زیادہ اخراجات ہوتے ہیں، انھیں برداشت کیا گیا ہے۔ اب اگر اتنی سرمایہ کاری کر کے اسے فائدہ حاصل نہ ہو تو دیگر کتب کیسے طبع ہوں گی؟

اسی طرح ایک فقہی قاعدہ ہے کہ جب کسی عمل میں مصالح موجود ہوں مگر وہاں مفاسد کا پہلو بھی پایا جاتا ہو تو ان مصالح کو حاصل کرنے سے پہلے مفاسد کا سدّ باب کیا جائے گا۔ ناشر کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے ادارے کی کتاب شائع کرنے میں اگرچہ مصالح موجود ہیں مگر مفاسد کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ عموماً یہی ہوتا ہے کہ بعد میں شائع کرنے والے ادارے اس کتاب کی اشاعت میں کوئی خاص اہتمام نہیں کرتے۔ نہ تو تصحیح و تضعیف کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور نہ ہی آیات و احادیث اور ان کے اعراب وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ ادارے جو چاہتے ہیں اس کتاب سے ساقط کر دیتے ہیں اور جس چیز کا چاہتے ہیں اس میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ نہ تو پروف ریڈنگ کا کوئی اہتمام کیا جاتا ہے اور نہ ہی کتاب میں استعمال کیے جانے کے لیے اچھے کاغذ کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ ادارہ وہ کتاب سستے ریٹ میں مارکیٹ میں لاتا ہے جس میں اس کتاب کے اصل ناشر کے لیے سراسر نقصان ہے۔ اس لیے طباعتی و اشاعتی اداروں کا اس قانون کے تحت چلنا لازمی اور ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اَلْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ» ''مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں۔'' (سنن أبی داود: 3594)

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس کتاب پر یہ جملہ درج ہو اسے اپنی طرف سے شائع کر دینا شرعی اور اخلاقی جرم ہے۔ یہ معاملہ سمجھ سے بالا ہے کہ قرآن و سنت کی ترویج کا کام کرنے والے ادارے اس کی پاسداری کیوں نہیں کرتے۔

بہرحال یہ قانون علم چھپانے کی وعید میں ہرگز نہیں آتا بلکہ وہ ادارے ہمارے شکریے کے مستحق ہیں، جو علم کے بکھرے ہوئے قیمتی موتیوں کو ایک کتاب میں یکجا کر کے ہمارے لیے آسانی پیدا کرتے ہیں۔

بغیر اجازت سی ڈیز کو پھیلانا

نشر و اشاعت ہی سے متعلق ایک قسم سی ڈیز کی بھی ہے۔ وہ سی ڈیز چاہے کسی پروگرام کی ہوں یا کتب وغیرہ کی۔ بعض سی ڈیز ایسی ہوتی ہیں کہ جس ادارے نے وہ تیار کی ہوتی ہیں اس کی طرف سے سی ڈی کے اوپر حلفیہ یہ بات نوٹ ہوتی ہے کہ اس ایک سی ڈی سے آگے



کاپی کر کے اس کو عام کرنا منع ہے۔ اسی طرح جب اس سی ڈی کو چلایا جاتا ہے تو اس وقت بھی ابتدا ہی میں قسم دے کر اس بات کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ متعلقہ ادارے کی اجازت کے بغیر اس سی ڈی کو آگے پھیلانا منع ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ کیا اس قسم کے باوجود اس سی ڈی سے مزید سی ڈیز تیار کر کے آگے پھیلائی جاسکتی ہیں کہ نہیں؟ جب ہم شرعی طور پر اس بات کا جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر کسی سی ڈی کے بارے میں اس طرح قسم دی گئی ہے تو پھر اس سے مزید سی ڈیز تیار کر کے آگے پھیلانا شرعاً درست نہیں الّا یہ کہ اس متعلقہ ادارے سے اجازت لے لی جائے۔ اس لیے کہ جو قسم دی گئی ہے اس کا پورا کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قسم کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔'' (صحيح البخاري: 1239)

اہل علم نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ جس کام کے بارے میں قسم دی گئی ہے اگر اس میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہیں پائی جارہی تو پھر اس قسم کو پورا کرنا لازم اور ضروری ہے۔ چونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی، اس لیے جس قسم میں خالق کی نافرمانی ہو اس کو پورا نہیں کیا جائے گا۔ بہرحال اگر کسی سی ڈی کے حوالے سے قسم دی گئی ہے تو اس کا پورا کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ احادیث میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔

عموماً ہم دیکھتے ہیں کہ اس حوالے سے کچھ خاص خیال نہیں رکھا جاتا جو ایک بہت بڑی قباحت ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شریعت کی اس اہم تعلیم کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ کوئی بھی شخص کسی ادارے کی ایک سی ڈی خرید کر اس سے اپنی مرضی کے مطابق سی ڈیز تیار کر کے فروخت کرنا یا مفت تقسیم کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ایسا شخص شرعاً ایک جرم کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اگر بغور اس بات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ایسا شخص حقوق العباد میں بھی کوتاہی کا شکار ہے۔ ایک ایسی سی ڈی جس پر ایک شخص یا ادارے کا حق ہے یہ شخص بغیر اجازت اس کو استعمال کر رہا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایسی سی ڈی کو متعلقہ ادارے کی اجازت کے بغیر کاپی کرنے سے گریز کیا جائے اور متعلقہ ادارے نے جو اس حوالے سے قسم دی ہے اس کو پورا کیا جائے۔

''صرف ہمیں مضمون بھیجیں''

پرنٹ میڈیا میں ہر ادارے کی انتظامیہ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ عوام الناس کا رجحان ان کے ادارے کے تحت شائع ہونے والے روزنامہ، ہفت روزہ، پندرہ روزہ یا ماہنامہ کی طرف ہی ہو۔ لوگ ان ہی کے ادارے کا شائع کردہ اخبار یا رسالے کا مطالعہ کریں۔ خصوصاً ادارتی صفحے کے حوالے سے اخبار انتظامیہ کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ ایسے کالم نگار حضرات کا انتخاب کریں جن کی تحریر کو لوگ شوق اور رغبت سے پڑھتے ہیں۔ یہی خواہش رسائل و جرائد سے متعلق انتظامیہ کی ہوتی ہے۔ لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے وہ باقاعدہ ایسے مضمون نگاروں سے رابطہ کرتے ہیں۔ مضمون لکھنے کی بدولت وہ انھیں بھاری معاوضہ بھی ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اخبارات اور رسائل و جرائد کے ایڈیٹرز حضرات جن مضمون نگار حضرات کو معاوضہ ادا کرتے ہیں انھیں اس بات کا پابند کرتے ہیں کہ وہ ان کے اخبار یا رسالے کے علاوہ کسی دوسرے اخبار یا رسالے کے لیے مضمون نہیں لکھیں گے۔ عموماً ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک کالم نگار صرف ایک اخبار یا رسالے ہی میں کالم لکھتا ہے، اس لیے کہ اس کا متعلقہ ادارے کی انتظامیہ سے یہ معاہدہ ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں متعلقہ ادارے ہی کے لیے صرف کرے گا۔

عوامی حلقوں کی جانب سے بھی عموماً یہ شکوہ کیا جاتا ہے کہ فلاں مضمون نگار صرف فلاں اخبار یا فلاں رسالے ہی میں کیوں لکھتا ہے؟ وہ دیگر رسائل میں کیوں نہیں لکھتا؟ یا کوئی ایڈیٹر یہ کیوں کہتا ہے کہ ''صرف ہمیں مضمون بھیجیں''

اب دیکھنا یہ ہے کہ شرعاً یہ معاملہ درست ہے یا کہ نہیں؟ جب ہم اس حوالے سے غور و فکر کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر اخبار یا رسالے کی انتظامیہ اور مضمون نگار کے درمیان یہ معاہدہ ہوا ہے اور یہ شروط طے پائی ہیں کہ وہ صرف اسی اخبار یا رسالے ہی میں لکھے گا تو پھر ان شروط پر پورا اترنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «الْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ» ''مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں۔'' (سنن أبي داود: 3594) لہٰذا جن شروط پر فریقین کے



درمیان معاملات طے پائے ہیں، فریقین کی طرف سے ان کا لحاظ رکھا جائے گا۔ اب اگر کوئی مضمون نگار کسی ایک اخبار یا رسالے ہی میں لکھتا ہے تو اسے تنقید کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ یہ اسی طرح ہے کہ کسی علاقے کے لوگ کسی اچھے عالم سے تقریر کا وقت لیں، اشتہار چھپوائیں، سامعین کے لیے مہمان نوازی کا خوب اہتمام کریں اور وہ خطیب صاحب اسی علاقے میں آ کر وہی تقریر پہلے کسی دوسری جگہ کر آئیں اور لوگوں کی اکثریت وہاں جا کر سن آئے تو یقیناً جلسے کا اہتمام کرنے والوں کا حق غصب ہوا، بالکل اسی طرح تحریروں کا بھی معاملہ ہے۔

کوئی اخبار یا رسالہ کسی مضمون نگار کے تعارف کا باعث بنتا ہے اور اخبار یا رسالے کی وجہ سے مضمون نگار کی اور مضمون نگار کی وجہ سے میگزین کی اہمیت بڑھتی ہے۔ قارئین ان کے اسلوب نگارش اور عنوان کی ندرت میں دلچسپی رکھتے ہیں اور وہ اخبار یا رسالہ اسی وجہ سے خریدتے ہیں۔ اور انھی وسائل سے وہ رسالہ چلتا ہے۔ اگر آپ کو کسی مضمون نگار کا مضمون پسند ہے اور جس رسالے میں ان کا مضمون آتا ہے۔ وہ آپ نے نہیں لگوایا تو آپ لگوائے ہوئے رسالے کے ایڈیٹر سے رابطہ کریں کہ وہ فلاں مضمون نگار سے رابطہ کرے اور مضمون لکھوائے۔ اس طرح رسالوں اور اخبارات میں بہتری بھی آئے گی اور اچھے کالم نگاروں کا وزن بھی بڑھے گا۔

دوسری صورت یہ بھی ہے کہ دوسرے رسالے یا اخبار میں چھپنے والے مضمون کو ایڈیٹر کی اجازت سے ''بشکریہ.....'' کے الفاظ سے شائع کر دیا جائے۔

کتب کی چوری.....ایک اہم مسئلہ

پنجابی میں کہتے ہیں: ''چوری لکھ دی ہووے یا ککھ دی، چوری چوری ای اے۔'' یعنی کوئی شخص ایک روپے کی چوری کرے تو اسے بھی چور ہی کہا جائے گا اور اگر کوئی ایک لاکھ کی چوری کرے تو اسے بھی چور ہی کہا جائے گا۔

شرعی اور قانونی اعتبار سے بھی چوری کرنا بہت بڑا گناہ شمار کیا گیا ہے۔

ہمارے معاشرے میں ایک چیز بہت زیادہ دیکھنے کو ملتی ہے کہ اکثر لوگ بعض چیزوں کے چرا لینے کو چوری خیال نہیں کرتے۔ ان میں سرفہرست کتب کی چوری ہے۔ کسی بھی پبلک لائبریری یا مکتبے سے کتب کی چوری ایک معمول بن چکا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کے ہاں مہمان گیا اور اسے میزبان کی لائبریری سے کوئی کتاب اچھی لگی تو وہ میزبان کی اجازت کے بغیر ہی اسے اٹھالے جاتا ہے۔ یہ ایک بہت بری عادت ہے جو معاشرے میں پھیلتی چلی جارہی ہے۔ کسی شخص کے ذاتی مال سے چوری کرنا بھی گناہ تو ہے ہی البتہ جب یہ چوری اجتماعی مال سے کی جائے تو اس کا گناہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک صحابی نے اجتماعی مال سے صرف ایک چادر چرائی تھی۔ جب وہ فوت ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ چادر جہنم کی آگ بن کر اس کو لپٹی ہوئی ہے۔'' (صحیح البخاري: 3074) گویا اگر کوئی شخص پبلک لائبریری سے کوئی کتاب چراتا ہے تو اس کا گناہ مزید بڑھ جائے گا۔ بعینہ اگر کوئی شخص مسجد کی لائبریری سے کتاب چراتا ہے تو اس کی قباحت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ ایک تو اس نے چوری جیسے فعل بد کا ارتکاب کیا، دوسرا اجتماعی مال سے کتاب چرائی اور تیسرا یہ کہ مسجد میں اس نے گناہ کا ارتکاب کیا۔

اسی نوعیت کا ایک جرم یہ بھی ہے کہ کہیں سے کتاب بطور مطالعہ لائی جائے اور اسے واپس نہ کیا جائے۔ یہ امانت میں خیانت کے ساتھ ساتھ عاریۃً لی ہوئی چیز پر قبضہ کرنا ہے اور یہ ایک جرم ہے۔ کبھی کبھی زیادہ جلدوں والی کتاب کی ایک دو جلدیں ایسے ہی غائب ہوجاتی ہیں۔

بہرحال کتاب کی چوری ایک بہت برا فعل ہے جس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

کتب جاری نہ کرنا

اسی نوعیت کا ایک مسئلہ بعض لائبریریوں کا کتابوں کو جاری نہ کرنا ہے۔ یہ ایک انتظامی مسئلہ ہے۔ مالک کو اپنی ملکیت میں جائز تصرف کا حق حاصل ہے۔ کتابوں کو جاری نہ کرنے کی کئی وجوہات ہوتی ہیں کہ کتاب کا خیال نہیں رکھا جاتا، جلد اکھیڑ دی جاتی ہے، اوپر کچھ تحریر کر دیا جاتا ہے یا واپس ہی نہیں کی جاتی یا تاخیر سے واپس کی جاتی ہے اور اس دوران کسی اور کو ضرورت پڑے تو کتاب موجود نہیں ہوتی۔

لہٰذا یہ بھی کتمانِ حق میں یا کسی جرم میں نہیں آتا بلکہ یہ احتیاط کا پہلو ہے۔



دینی مدارس کی اہمیت

اور ان پر کی جانے والی تنقید کا علمی محاسبہ

خطاب: الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
اعداد: حافظ شبیر صدیق، ریسرچ فیلو دارالسلام

قسط:2

عموماً شوال میں مدارس دینیہ کے داخلے شروع ہوتے ہیں۔اس مناسبت سے زیر نظر مضمون شامل کیا گیا ہے تاکہ مسلمان میڈیا کی یلغار سے متاثر ہوئے بغیر اپنی اولاد کو علوم نبوت سے آراستہ کریں۔ایڈیٹر

صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «وَإِنَّ رَجُلًا لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ» ''ایک شخص جنت والے کام کرتا ہے۔'' «حَتَّى لَايَبْقَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ إِلَّا شِبْرًا» ''حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے۔'' نمازیں پڑھ پڑھ کے، قیام اللیل کرکر کے وہ جنت کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔ اچھے عقیدے کی برکت سے، جہاد کرکے وہ جنت کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔ «ثُمَّ يَتَكَلَّمُ بِكَلِمَةٍ» وہاں پہنچ کے ایک بول ایسا بولتا ہے کہ «تَهْوِي بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ سَبْعِيْنَ خَرِيفاً» وہ ایک ہی بول اس کو جہنم میں ستر سال نیچے پھینک دیتا ہے۔ (صحيح مسلم: 2988، وجامع الترمذي: 2314) تو اگر زبان کی استقامت نہیں، کتنی بڑی وعید ہے۔ زبان کی استقامت کس کو حاصل ہے؟ جس کا زبان کے امور کے تعلق سے علم صحیح ہے۔ تو علم ہر چیز سے پہلے ہے۔

اہلِ علم کی شان

اسی لیے محمد رسول ﷺ نے اہل علم کی شان بیان کی اور فرمایا: ان کو جو مقام ہے اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اور آخرت کی کامیابی اور جنت کا حصول، صرف علم پر قائم ہے۔ یہ حدیث آپ نے سنی تھی «مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْماً سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ» جو شخص ایک راستے پر چلے، یہ راستہ کہاں جارہا ہے؟ علم کی طرف، دینی درسگاہ کی طرف، کسی مدرسے کی طرف، کسی شیخ کی طرف، شیخ بھی مدرسہ ہے، مدرسہ ان اینٹوں اور دیواروں کا نام نہیں ہے۔ مدرسہ مشائخ کا نام ہے۔ مدرسہ علماء کا نام ہے۔ کسی عالم کے پاس جائے، کسی درسگاہ میں جائے۔ کس لیے؟ «يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا» علم کی تلاش میں، علم کی طلب میں۔ تو اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے؟ «سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ» اللہ تعالیٰ اس کا جنت کا راستہ آسان کردیتا ہے۔ (جامع الترمذی: 2646) یہ راستہ درسگاہ کا نہیں جنت کا ہے۔ اتنا اونچا مقام۔ اس سے کیا ثابت ہورہا ہے؟ کہ جو علم کا راستہ ہے وہ جنت کا راستہ ہے۔ اس سے کیا ثابت ہورہا ہے؟ کہ جو شخص چلتا ہے طلب علم کے لیے، جنت اس کے لیے ہے۔ جو طلب علم کے لیے چلتا ہے اور چل کر کہاں جاتا ہے؟ کسی شیخ کے پاس، کسی عالم کے پاس، کسی درسگاہ میں، کسی ادارے میں اور کہاں جاسکتا ہے طلب علم کے لیے؟ تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یعنی جنت کا راستہ ان دو چیزوں پر قائم ہے۔ ایک چلنے پر، سفر کرنے پر اور دوسرا یہ سفر کرنا اور چلنا منہج ہو کسی درسگاہ کی طرف۔ اس کا مفہوم مخالف کیا ہے؟ کہ جو شخص نہیں چلتا، درسگاہ کی طرف نہیں جاتا، طلب علم کی طرف نہیں آتا وہ

شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ یعنی جنت کا راستہ علم کا راستہ ہے جہل کا راستہ نہیں ہے۔ جہل کا راستہ جنت کا راستہ نہیں ہے۔ جو شخص جہل پر قائم ہے جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ جنت کا داخلہ علم پر قائم ہے، علم پر۔ کتنی بڑی شان اور فضیلت ہے۔

سلف صالحین کا حصول علم کے لیے سفر

ہم حیران ہوتے ہیں کہ ہمارے سلف صالحین طلب علم کے لیے کس قدر چلا کرتے تھے، سفر کیا کرتے تھے۔ ابودرداء نبی علیہ السلام کے صحابی، ان کا قول ہے: «لَوْ اَشْكَلَتْ عَلَيَّ اٰيَةٌ» اگر قرآن پاک کی کسی ایک آیت کا فہم مجھ پر مشکل ہوجائے، صرف کسی ایک آیت کا۔ یہ چھ ہزار چھ سو سے زائد آیتیں ہیں، سب آتی ہیں، کسی ایک آیت کا فہم مجھے مشکل ہوجائے، کوئی ایک آیت سمجھ میں نہیں آرہی «عَلِمْتُ اَنَّ مَنْ يَّفْتَحُهَا عَلَى بِرْكِ الْغِمَادِ» اور اگر مجھے یہ بات معلوم ہوجائے، اس آیت کو کھولنے والا اور اس کی تفسیر کو واضح کرنے والا شخص اس وقت ایک ہی ہے اور وہ برک الغماد میں بیٹھا ہوا ہے، برک الغماد یمن کا آخری کونا، وہاں بیٹھا ہوا ہے۔ «لَرَحَلْتُ اِلَيهِ» اس آیت کو سمجھنے کے لیے میں سفر کرکے اس کے پاس جاؤں گا۔ ایسا کیوں؟ اللہ کے بندو! یہ سفر کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ اگر سمجھتے ہو کہ گھر بیٹھے کتابیں پڑھ کر دین حاصل ہوجائے گا تو تمھاری بھول ہے۔ جو لوگ خود کتابیں خریدتے ہیں، پڑھتے ہیں اور مرضی کا سمجھتے ہیں وہ «ضَلُّوا فَاَضَلُّوا» کی تفسیر ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ ایسی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ ایسے بہت سے کتاب جو مدارس ہی نہیں گئے، ہوسکتا ہے ان میں کبر ہے کہ میں مدرسے میں جاؤں، مدرسے میں تو غرباء اور فقراء آتے ہیں۔ پسماندہ لوگ آتے ہیں، میں وہاں جاؤں۔ میرے پاس مال ہے، کتابیں خریدتا ہوں اور گھر بیٹھ کے پڑھتا ہوں۔ ایسے لوگ کبھی علم حاصل نہیں کرسکتے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: «اُغْدُ عَالِماً اَوْ مُتَعَلِّمًا اَوْ مُستَمِعًا» اور ایک روایت ہے: «اَوْمُحِبًّا لَهُمْ وَلَاتَكُنْ خَامِسًا تَهْلِكُ» ''عالم بن جاؤ یا علماء سے پڑھنے والا بن جاؤ، ان کے پاس جاؤ، جاکے بیٹھ جاؤ اور پڑھو «اَوْمُستَمِعًا» یا علماء کے دروس سننے والا بن جاؤ۔ ان کے دروس سننے والا بن جاؤ «وَلَا تَكُنْ مِنْ رَابِعٍ» چوتھی کوئی چیز نہ بننا «فَتَهْلِكُ» ورنہ برباد ہو جاؤ گے، ہلاک ہوجاؤ گے۔'' (شعب الایمان: 265/2)

«اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ» یہ نبی علیہ السلام کی حدیث ہے فتح الباری میں حسن سند کے ساتھ کہ علم کتابیں پڑھنے سے نہیں آتا۔ علم علماء سے سیکھنے سے آتا ہے۔ علماء سے پڑھنے سے آتا ہے۔ (فتح الباري: 161/1) اس لیے دیکھو ہمارے سلف صالحین ایک ایک مسئلے کی خاطر لمبے سفر کرتے۔ جناب جابر رضی اللہ عنہ مدینے سے شام گئے۔ مظالم کے بارے میں نبی علیہ السلام کی ایک حدیث کے بارے میں سنا ہوگا، وہ حدیث خود نہیں سنی انھوں نے۔ حدیث کا متن موجود تھا لیکن وہ چاہتے تھے کہ یا تو نبی علیہ السلام سے سنتے یا اس سے جس نے نبی علیہ السلام سے سنی ہو۔ چنانچہ جب معلوم کیا تو پتہ چلا کہ جب نبی علیہ السلام نے یہ حدیث بیان کی تھی اس مجلس میں فلاں تھا، فلاں تھا، فلاں تھا، سب فوت ہوچکے ہیں سوائے ایک صحابی کے۔ عبداللہ بن انیس اس وقت شام میں ہیں، بس وہ زندہ ہیں باقی سب فوت ہوچکے ہیں۔ مدینے سے نکلے شام، ایک ماہ کا سفر، ایک مہینے کا سفر۔ عبداللہ بن انیس کے پاس پہنچے۔ جوان کا نوکر تھا، اس کو اطلاع دی کہ جا ؤ عبداللہ سے کہو کہ جابر ملنے آیا ہے۔ نوکر دوبارہ آیا کہ کون جابر؟ جابر تو بہت ہیں۔ کیا تم جابر بن عبداللہ انصاری ہو؟ کہا کہ جی ہاں۔ عبداللہ بن اُنیس اپنے گھر سے بھاگے بھاگے باہر نکلے۔ نبی علیہ السلام کے اتنے بڑے صحابی۔ اور جابر کا شمار مکثرین میں ہے، مکثرین میں۔ وہ صحابہ جن کی روایات بہت زیادہ ہیں۔

مکثرین صحابہ دس بارہ جن میں ابوہریرہ کا نام ہے، ابن عمر کا نام ہے، جابر کا نام ہے، ابن عباس کا نام ہے، عائشہ صدیقہ کا نام ہے، عبداللہ بن عمرو بن عاص کا نام ہے، یہ مکثرین صحابہ۔ ان کا نام مکثرین میں شمار ہوتا ہے۔ اتنے زیادہ علم کے باوجود ایک حدیث سننے کے لیے مدینے سے شام گئے۔ ایک مہینے کے فاصلے پر۔ یہ سفر ایک درسگاہ کی طرف سفر تھا صرف ایک حدیث کو حاصل کرنے کے لیے۔ (اسد الغابة: 82/2) ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ مدینے سے گئے، کہاں؟ مصر۔ اور ستر مومن کے بارے میں ایک حدیث سننے کے لیے، صرف ایک حدیث سننے کے لیے۔ (جامع بيان العلم و فضله: 84/1) کیونکہ وہ جانتے تھے قدر و منزلت کو کہ یہ



مقام کیا ہے: «مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا» کہ جو طلب علم کی راہ پر چلے وہ جنت کی راہ پر چل رہا ہے۔ وہ درسگاہ کی طرف جارہا ہے، کسی شیخ کی طرف جارہا ہے؟ نہیں، جنت کی طرف جارہا ہے۔ اتنا اونچا مقام کہ جس تک رسائی حاصل کرنے والا درحقیقت جنت کا مسافر ہے۔ جنت کا طالب ہے۔

عامر الشعبی ایک حدیث روایت کرتے ہیں اور اپنے شاگرد سے کہتے ہیں: «خُذْهَا بِغَيرِ شَيْءٍ» تم یہ حدیث لے لو کسی مشقت کے بغیر، کسی محنت کے بغیر۔ «قَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَرْحَلُ فِيمَا دُوْنَهَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ» ہم تو اس سے بھی چھوٹی حدیث کو حاصل کرنے کے لیے بغداد سے مدینے جایا کرتے تھے۔ اس سے بھی چھوٹی حدیث کی خاطر۔ (صحیح البخاری: 5083، و جامع بیان العلم وفضلہ: 83/1) یہ ہے: «مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا» ایک راہ پر چلتا ہے۔ یہ طریق طریقِ مدرسہ ہے جس پر آپ تنقیدیں کرتے ہیں۔ جہاں سے علم نافع حاصل ہوتا ہے۔ یہ جنت کا راستہ ہے۔ یہ راستہ جنت کا راستہ ہے۔ اس کا معنی جو اس راہ پر نہیں چلتا اور طلب علم نہیں کرتا وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ جنت کا راستہ علم نافع پر قائم ہے اور علم نافع یہ قرآن وحدیث کا علم ہے جو خالص آپ کو کہاں سے ملے گا؟ صرف ان مدارس سے اور کہیں نہیں۔ کوئی اور راستہ ہے تو بتایئے۔ کوئی اور راستہ ہے تو بتایئے۔

صرف کتابوں سے علم حاصل کرنا

نبی علیہ السلام کا فرمان ہے اور جو آپ کا فرمان ہے اسی فرمان کے مطابق حصولِ علم ہو۔ «تَسْمَعُونَ مِنِّي وَيُسْمَعُ مِنْكُمْ وَيُسْمَعُ مِمَّنْ يَسْمَعُ مِنْكُمْ» ''یہ علم تم مجھ سے سنتے ہو اور تم سے آگے لوگ سنیں گے اور ان سے آگے لوگ سنیں گے اور یہ سماع کا جو سلسلہ ہے یہ قیامت تک قائم رہے گا۔'' (مسند احمد: 321/1) تو علم استماع کے ساتھ ہے۔ مشائخ کے پاس جانا، علماء کے پاس جانا اور ان سے علم حاصل کرنا۔ سلف صالحین ایسے لوگوں پر جرح کرتے تھے جس کا کوئی شیخ نہ ہو۔ امام ذہبی نے ایک عالم کا ذکر کیا ہے اور اس پر جرح کی اور جرح کے الفاظ یہ ہیں کہ «لَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْخٌ» ''اس کا کوئی شیخ نہیں تھا۔'' (تاریخ الاسلام للذہبی: 25/10)

امام اوزاعی رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کے استاد ہیں۔ فرمایا کرتے تھے: «كَانَ هَذَا الْعِلْمُ كَرِيْمًا» ''یہ علم حدیث بڑا عزیز تھا، بڑا محترم تھا، بڑا باوقار تھا۔'' «فَلَمَّا دَخَلَ فِي الْكُتُبِ» حتی کہ کتابوں میں داخل ہوگیا۔ تحریر میں آگیا۔ پہلے سینوں میں محفوظ تھا اور ایک سینے سے نکلتا دوسرے میں منتقل ہوجاتا۔ حتی کہ کتابوں میں شفٹ ہوگیا۔ «فَدَخَلَ فِيهِ غَيْرُ أَهْلِهِ» ''جب کتابوں میں داخل ہوا تو بہت سے نااہل علم میں داخل ہوگئے۔'' (سیر اعلام النبلاء للذہبی: 114/7) جب تک سینوں میں تھا بڑا محترم تھا، جب کتابوں میں داخل ہوا تو بہت سے نااہل اس میں داخل ہوگئے۔ اس کا کیا معنی؟ کتابوں میں اس علم کے داخل ہونے سے نااہل لوگ کیسے آگئے؟ یہ کتابوں سے استفادے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ہے استفادہ بالنص کہ انسان خود ہی کتاب لے لے اور خود ہی پڑھے، اپنی مرضی کا سمجھے۔ یہ نااہل ہے۔ اس کو علم حاصل نہیں ہوگا۔ اور ایک وہ شخص جو کتابیں پڑھتا ہے علماء کی مدد سے۔ جہاں کوئی اشکال آجائے بجائے اس کے کہ اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے علماء سے رابطہ کرتا ہے، ان سے سوال کرتا ہے، ان سے اس علم نافع کے بارے میں پوچھتا ہے۔ آپ کتب کا ڈھیر لگالیں، ان کتب کا فہم علماء کے بغیر ممکن نہیں۔ علماء کے بغیر ممکن نہیں۔ تو علم نافع جس کا حصول ان مدارس کا مرہونِ منت ہے اور تمام تر فضائل اسی اساس پر قائم ہیں، اسی اساس پر۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ جنت کا راستہ اس راہ پر چلنے میں ہے۔ «مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا» جو ایک راہ پر چلے طلب علم کے لیے۔ اس کا ایک معنی اور بھی ہے۔ ایک معنی ہے چلنا «اَلْمَشْيُ بِالْأَقْدَامِ» کہ چل کر جانا، اپنے قدموں سے چل کر جانا طلب علم کے لیے۔ اس کا ایک معنی اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ طلب علم کا راستہ جو بھی ہے اس کو اختیار کرے۔ وہ راستہ کیا ہے، علماء سے ملنا، علماء سے پڑھنا، حفظ کرنا، سمجھنا، یاد کرنا، لکھنا جو بھی طلب علم کا راستہ ہے اس راستے کو اختیار کرے تاکہ علم نافع کو پالے۔ تو فرمایا کہ وہ جنت کا راستہ ہے۔ جنت کا۔

دنیا چاند پر اور تم.....

رسول اللہ ﷺ نے فارس کا ذکر کیا۔ فرمایا: «لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَ رَجُلٌ مِنْ فَارِسٍ» ''اگر دین ثریا پر ہو، ثریا سب سے اونچا ستارہ، ثریا پر ہوگا تو ایک قوم فارس کی، فارس کا علاقہ،

وہاں کے کچھ لوگ وہاں پہنچ کر اس علم کو حاصل کریں گے۔'' (جامع الترمذي: 3933، ومشكل الآثار للطحاوي: 239/5) وہاں تک جائیں گے وہاں پہنچ کر علم کو حاصل کریں گے۔ یعنی ان کا ثریا تک جانا یہ سفر کس کا ہے؟ لوگ ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ دنیا چاند پر پہنچ گئی اور تم ابھی تک استنجا کے مسائل میں الجھے ہوئے ہو۔ دنیا چاند پر پہنچ گئی ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ چاند پر پہنچنا کمال نہیں ہے۔ صحیح استنجا کرنا کمال ہے۔ اگر کوئی چاند پر جائے یا نہ جائے اس سے اللہ نے سوال نہیں کرنا لیکن کسی کا استنجا اگر صحیح نہیں ہوگا تو آؤ نبی علیہ السلام کی ایک حدیث سنیں! آپ ایک قبر کے پاس سے گزرے تو آپ نے کیا فرمایا؟ فرمایا کہ یہ دو قبریں جو ہیں: «إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ» ان دونوں قبروں میں عذاب ہورہا ہے۔ ان دونوں قبروں میں عذاب ہورہا ہے۔ «وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ» اور ان کے عذاب کا سبب کوئی بڑا گناہ نہیں ہے، گناہ بھی چھوٹا ہے، یعنی چھوٹا سمجھتے تھے، گناہ کبیرہ ہے لیکن یہ چھوٹا سمجھتے تھے۔ ان میں سے ایک چغل خور تھا اور دوسرا، دوسرے کا گناہ کیا ہے؟ دوسرے کا گناہ یہ ہے وہ صحیح استنجا نہیں کرتا تھا۔ (صحيح البخاري: 218) استنجے کا اس کا طریقہ ایسا تھا کہ پیشاب کی چھینٹوں سے اس کا بچنا ممکن نہیں تھا۔ کپڑے ناپاک رہتے۔ جسم ناپاک رہتا۔ اسے صحیح استنجا کرنا نہیں آتا تھا۔ اب اگر کوئی چاند پر نہیں گیا اس کو قبر میں عذاب ہوگا کہ چاند پر کیوں نہیں گیا تھا؟ تو اتنا بدو تھا کہ تو چاند پر نہیں گیا۔ تو چڑھا ہی نہیں چاند پر۔ اس کو عذاب ہوگا؟ کوئی سوال ہوگا اس سے؟ نہیں ہوگا۔ پھر جس کا استنجا صحیح نہیں اس کو اللہ نے پکڑ لیا، دبوچ لیا اس کو اور قبر میں اس کو عذاب ہورہا ہے۔ تو صحابہ کرام کی سوچ کیا تھی کہ دین کیا کہہ رہا ہے۔ یہ کمال ثریا تک جانے میں کس چیز کا ہے۔ لوگ ترقی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ثریا تک پہنچ جائیں۔ بھئی کیوں پہنچ جائیں؟ اس کا علم نہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ ہماری ترقی کا محور یہ ہے کہ ثریا میں اگر دین کا علم ہے تو پھر ہم وہاں جائیں گے تاکہ دین کے علم کو حاصل کریں۔ یہ شریعت کی سوچ ہے۔ تمھاری سوچ یہ ہے کہ ہم ثریا تک پہنچ جائیں۔ کیوں پہنچ جائیں؟ یہ کسی کو پتہ نہیں۔ ہماری ترقی یہ ہے کہ ہم ثریا تک کب جائیں؟ جب ہم کو علم ہو کہ وہاں پر دین کا علم موجود ہے۔ فرمایا کہ علم اگر ثریا پر ہوگا تو اس فارس کے لوگ وہاں پر بھی جائیں گے تاکہ وہاں سے علم کو حاصل کر کے آجائیں۔ یہ علم کی شان ہے۔ یہ علم کی شان ہے۔ صحابہ مرعوب ہوتے تھے علم کے مقام سے نہ کہ ثریا تک جانے سے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فکر

نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث ہے۔ آپ نے دجال کا ذکر کیا فرمایا کہ دجال جب آئے گا، قرب قیامت، اس کا دور ہوگا، اس وقت کے سارے دن تمھاری دنیا کے عام دنوں کے برابر ہوں گے لیکن «يَومٌ كَسَنَةٍ، يَومٌ كَسَنَةٍ» ایک دن ان میں ایسا ہوگا جو ایک سال کے برابر ہوگا۔ «وَيَومٌ كَشَهرٍ» اور ایک دن ایک مہینے کے برابر ہوگا۔ «وَيَومٌ كَجُمُعَةٍ» اور ایک دن ایک ہفتے کے برابر ہوگا۔ باقی سارے دن تمھارے عام دنوں کے برابر ہوں گے۔ اب یہ ایک عجیب مسئلہ سامنے آگیا کہ ایک دن پھیل کر ایک سال کا ہوگیا۔ تعجب کی بات تو ہے لیکن صحابہ کی نگاہ اس پر نہیں تھی۔ بس اللہ کے نبی نے بتادیا، پتھر پر لکیر ہے۔ اب وہ ایک سال کے برابر ایک دن آکر رہے گا۔ وہ کیسے ہوگا؟ اس کی کیا سائنسی توجیہ ہے؟ صحابہ نے کچھ سوال نہیں کیا۔ پوچھا تو کیا پوچھا؟ «كَيْفَ نُصَلِّي يَارَسُولَ اللّٰهِ ﷺ؟» یارسول اللہ ﷺ! وہ دن اگر ہم نے پالیا تو ہم نماز کیسے پڑھیں؟ ہم نماز کیسے پڑھیں؟ یہ ہے فلاح کا پروگرام جن کی نگاہیں آخرت پر ہیں، درجات علیٰ کے حصول پر مرکوز ہیں۔ یہ سوال نہیں کیا کہ یہ کیسے ہوگا؟ کوئی اس کی منطقی توجیہ کریں۔ کوئی سائنسی توجیہ کریں، تاکہ ہماری عقل میں یہ بات آئے، نہیں۔ ہوگا۔ پیارے پیغمبر نے فرمادیا، پتھر پر لکیر۔ وہ دن آکر رہے گا لیکن سوال کیا: اگر ہم نے پالیا تو ہم نماز کیسے پڑھیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم وقت کا اندازہ کرلینا۔'' (صحيح مسلم: 2937، والمستدرك للحاكم: 130/7) یہ عام دنوں میں اگر ظہر، عصر میں تین گھنٹوں کا وقفہ ہے تو تین گھنٹے کے وقفے سے نماز پڑھ لینا۔ پھر آگے عصر کی نماز، مغرب کی نماز اسی وقفے کے بقدر پڑھ لینا ایک اندازہ لگا کے۔ دین کا مسئلہ حل کیا۔ تو پھر کیا؟ ان نصوص سے کیا بات واضح ہورہی ہے؟ کہ اصل جو کامیابی ہے وہ وہ کامیابی ہے جس کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے۔ اسی کی تگ و دو کریں، اسی کی فکر کریں۔ یہ علم نافع اس کامیابی



کی اساس ہے۔ تبھی نبی علیہ السلام نے اس کی شان بیان کی اور اس راستے پر چلنے کا حکم دیا۔ یہ امر متعین ہے۔ جو اس راہ پر چلے گا وہ جنت میں جائے گا۔

حصولِ علم کے لیے ایک نبی کا سفر

یہ کتنا اہم معاملہ ہے کہ اللہ کا ایک پیغمبر اس راہ پر چلا، موسیٰ علیہ السلام۔ ایک تقریر کی، اتنی موثر کہ لوگ رو پڑے، دل نرم ہو گئے، رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ آپ وعظ کر کے جب چلنے لگے تو ایک شخص نے آپ کا پیچھا کیا اور کہا کہ موسیٰ! کیا اس سرزمین پر تم سے بڑا کوئی عالم ہے؟ فرمایا کہ نہیں، میں سب سے بڑا عالم ہوں۔ اس لیے فرمایا کہ میں اللہ کا نبی ہوں۔ نبی کے پاس براہ راست علم آتا ہے۔ علم جو بھی ہوگا پہلے پیغمبر کے پاس آئے گا۔ پیغمبر سے آگے منتقل ہوگا۔ تو چونکہ اس علم کا پہلا مخاطب میں ہوں، لہٰذا سب سے بڑا عالم میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند آئی۔ اللہ پاک نے فرمایا: موسیٰ! یہ بات تم نے کیوں کہہ دی؟ اس زمین میں ایک ایسا شخص موجود ہے، اس کے پاس جو علم ہے وہ تمھارے پاس نہیں ہے۔ تمھارے پاس نہیں ہے۔ اب موسیٰ کلیم اللہ، جس سے اللہ نے کلام کیا۔ جس کو اللہ نے الواح کے ذریعے علم دیا، پوری تورات دی۔ اس موسیٰ نے خواہش کی کہ یااللہ! «كَيْفَ السَّبِيلُ اِلَيهِ؟» میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں، کیسے جاؤں؟ اتنا بڑا عالم، نبی، اولوالعزم پیغمبر، کلیم اللہ، صاحب تورات، صاحب الواح، اتنے بڑے علم کا مالک «كَيْفَ السَّبِيلُ اِلَيهِ؟» یا اللہ! اس شخص کے پاس میں کیسے جاؤں؟ میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں اور جو علم اس کے پاس ہے، اس سے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ہے طریق علم، اس پر چلنے کا شوق۔ ایک نبی کا شوق اور یہ خواہش کر رہا ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ وہ شخص مجمع البحرین کے پاس ہے۔ مجمع البحرین، دو بحر وہاں ملتے ہیں۔ مشرق کی طرف سے بحر فارس اور مغرب کی طرف سے بحر روم۔ ان دونوں کا ملتقی، مجتمع۔ جہاں یہ ملتے ہیں وہ شخصیت وہاں بیٹھی ہے خضر۔ وہاں بیٹھی ہے چلے جاؤ۔ اب موسیٰ کیا کہہ رہا ہے؟ ﴿اِذْ قَالَ لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾ اس نوجوان سے، اپنے ساتھی سے جو رفیقِ سفر تھا یوشع بن نون، اس سے فرما رہے ہیں کہ میں چلتا رہوں گا، چلتا رہوں گا جب تک مجمع البحرین تک نہ پہنچ جاؤں۔ اور جب تک یہ نہیں آئے گا چلتا رہوں گا۔ ﴿اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾ حقب کیا ہے۔ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے لیکن ایک قول جس کو زیادہ مفسرین نے اختیار کیا وہ یہ ہے کہ ایک حقب اسّی سال کا ہے۔ ایک حقب چلتا رہوں گا۔ جب تک یہ علاقہ نہیں آئے گا میں چلتا رہوں گا۔ یہ ہے طلب علم کا شوق۔ وہ جاہل نہیں تھے عالم تھے۔ عالم نہیں اللہ کے نبی تھے۔ اور صاحب وحی، صاحب تورات اور پھر کلیم اللہ جن سے اللہ نے کلام کر کے ان کو علم دیا۔ کتنے بڑے نبی! لیکن طلب علم کا شوق اور آخر وہاں پہنچ گئے۔ لمبا قصہ ہے۔ وہاں پہنچ گئے اور خضر سے کیا کہا؟ ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ کہ میں آپ کے پیچھے چلوں؟ آپ کے ساتھ ساتھ چلوں؟ کہا کہ آپ مجھے وہ علم دیں جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔ وہ علم دیں مجھے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔ خضر علیہ السلام نے کہا: ﴿اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ''تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔'' لیکن تم اتنی دور سے آئے ہو چلو، کہا: چلو! بہرحال قصہ طویل ہے۔ اتنا لمبا سفر کیا، جانے میں آنے میں اور صرف تین باتیں حاصل ہوئیں۔ وہ آپ جانتے ہیں۔ صرف تین باتیں۔ اس کے بعد استاد اور شاگرد میں علیحدگی ہوگئی اور موسیٰ علیہ السلام کو واپس آنا پڑا۔ (صحيح البخاري: 4727)

لیکن طلبِ علم کا شوق اللہ کے نبی کو۔ یہ شوق کس چیز کا غماز ہے؟ اللہ کا ایک نبی اتنا طویل سفر کیوں کر رہا ہے؟ کس لیے؟ طلب علم کے لیے، ایک شیخ کے پاس جانے کے لیے۔ تو پھر یہ راستہ بڑا عظیم الشان راستہ ہے۔

مدارس کی طرف سفر اور طلباء کا مقام

مدارس کا راستہ بڑا عظیم الشان راستہ ہے۔ اس راستے پر چلنا چاہیے۔ اس راستے پر چلنے والے بڑے برگزیدہ لوگ ہیں۔ دو شخصیتوں کے نام پیش کرتا ہوں: ایک نبی علیہ السلام کے صحابی قبیصہ بن مخارق، جن کی حدیث مسند احمد میں ہے، نبی علیہ السلام کے پاس آئے لاٹھی ٹیکتے ٹیکتے، بوڑھے انسان تھے۔ بڑی مشکل سے، سانس اکھڑی ہوئی ہے۔ لاٹھی ٹیکتے ٹیکتے نبی علیہ السلام تک پہنچ گئے۔ فرمایا: قبیصہ! کیوں آئے ہو؟ کہا کہ «كَبِرَتْ سِنِّي وَرَقَّ عَظْمِي» یا رسول اللہ ﷺ! عمر بہت بڑی ہو چکی، میں بوڑھا ہو چکا



ہوں اور ہڈیاں نرم پڑ چکی ہیں۔ ہڈیاں کمزور ہوگئیں، لہٰذا میں نے سوچا کہ آپ کے پاس آؤں، آپ کے پاس آؤں اور آپ سے وہ علم حاصل کروں جس کا مجھے نفع ہو۔ «لِتُعَلِّمَنِي مَا يَنْفَعُنِي» تاکہ آپ مجھے کچھ علم دیں جس کا مجھ کو کچھ نفع ہو۔ یعنی ایک بوڑھا انسان بھی اس ضرورت کو محسوس کرتا ہے کہ طلب علم نافع کے بغیر کوئی گزارا نہیں ہے۔ تو آج ہی سفر کرکے، ہمت کرکے آ گیا۔ چلنے کی طاقت نہیں ہے۔ ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں لیکن پھر بھی چونکہ یہ طلب علم کا راستہ جنت کا راستہ ہے تو مجھے کچھ آپ ایسا علم نافع دے دیں جس کا مجھے فائدہ ہو اور میں کامیاب ہو جاؤں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے علم نافع تو دیا لیکن ساتھ ساتھ یہ فرمایا کہ قبیصہ! مبارک ہو۔ «مَامَرَرْتَ بِحَجَرٍ وَلَا شَجَرٍ وَلَا مَدَرٍ اِلَّا اسْتَغْفَرَلَكَ» تم جو فاصلہ طے کرکے آئے، جس درخت کے پاس سے گزرے، جس ٹیلے کے پاس سے گزرے، جس پتھر کے پاس سے گزرے ان سب نے تیرے لیے استغفار کی دعا کی۔ درخت کے ایک ایک پتے نے اور ٹیلے کی ریت کے ایک ایک ذرے نے، ایک ایک کنکری حجر شجر نے تیرے لیے دعا کی، استغفار کیا ہے۔ (مسند احمد: 60/5) یہ مقام کس کا ہے؟ ایک طالب علم کا جو علم نافع کے حصول کے لیے گھر سے نکلتا ہے، سفر کرتا ہے اس کے لیے ہر چیز استغفار کی دعا کرتی ہے۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ پانی کی مچھلیاں اور بلوں کی چیونٹیاں اس کے لیے دعا کرتی ہیں۔ ہر چیز دعا کرتی ہے۔ (سنن ابی داود: 3641) یہ ایک طالب علم کی شان ہے۔ ان طلباء کا مقام، ان کا وجود کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ علمائے سلف میں سے کئی ایک کا قول ہے: «اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ الْبَلَاءَ عَنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ» اللہ اس امت کی بلائیں، مشکلیں، تکلیفیں ٹالتا ہے، کس کی برکت سے؟ «بِرِحْلَةِ اَصْحَابِ الْحَدِيثِ» یہ طلبائے حدیث کے سفروں کی برکت سے، (الرحلة فی طلب الحديث للخطيب البغدادي: 15/1) یہ چل کر جانا، یہ چل کر جاتے ہیں تو ان کے قدم فرشتے گنتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ گنتے ہیں بلکہ «اِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ» کہ فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں، اپنے پروں کا سایہ کرتے ہیں ان طلباء کے لیے جو ان مدارس کی زینت ہیں۔ (سنن ابن ماجه: 223) جو دور دراز کا سفر طے کرکے ان مدارس میں پہنچتے ہیں۔ تو یہ دینی مدارس، ان میں آنے والے طلباء، ان کے علماء کا یہ مقام ہے۔

نبی ﷺ کی میراث

نبی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ یہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ یہ انبیاء کے وارث ہیں۔ ان مدارس سے جو علم حاصل کیا انھوں نے انبیاء کی وراثت حاصل کی۔ «وَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِيْنَارًا وَلَادِرْهَمًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ» اور انبیاء کا ترکہ درہم و دینار نہیں بلکہ انبیاء کا ترکہ علم ہے جس کے حاملین یہ علماء ہیں۔ (سنن ابن ماجه: 223) یہ علم انھوں نے کہاں سے لیا؟ ان مدارس سے، علماء سے سیکھا، سیکھ کر انبیاء کے وارث بن گئے۔ انبیاء کے وارث۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں آتے ہیں۔ دیکھا کچھ طلباء بیٹھے ہیں اور قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ہو رہا ہے۔ قال قال رسول اللہ ہو رہا ہے، حدیثیں بیان ہو رہی ہیں، فقہی مسائل پر بات ہو رہی ہے۔ فرمایا کہ «عَلَى مِيْرَاثِ مُحَمَّدٍ ﷺ يَقْتَسِمُونَهُ» یہ طلباء محمد ﷺ کی میراث پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ پیغمبر علیہ السلام کا ترکہ اور پیغمبر علیہ السلام کی میراث تقسیم کر رہے ہیں۔ (شرف اصحاب الحديث: 102/1) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، مسجد میں درس حدیث ہو رہا ہے، بازار میں نکل گئے، بہت بڑے تاجر اپنا کاروبار کر رہے ہیں۔ دنیاوی امور میں مصروف ہیں اور آپ فرما رہے ہیں: اے تاجرو! تم یہاں بیٹھے ہو، دنیا کے سودے کر رہے ہو، خرید و فروخت کر رہے ہو، «هٰذَا فِي الْمَسْجِدِ مِيْرَاثُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ تُقَسَّمُ» مسجد میں اللہ کے پیغمبر کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کا ترکہ بٹ رہا ہے۔ اور تم یہاں کاروبار کر رہے ہو۔ تمھارے نزدیک یہ کاروبار کامیابی ہے لیکن یہ محدثِ امت ابو ہریرہ کس چیز کو کامیابی کہہ رہے ہیں۔ کہ تم ابھی تک یہاں مصروف ہو خرید و فروخت میں اور تمھیں معلوم نہیں مسجد میں اللہ کے پیغمبر کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ وہ دکانیں بند کرکے مسجد میں آ گئے کہ میراث بٹ رہی ہے کچھ ہمیں بھی مل جائے۔ دیکھا وہاں کچھ بھی نہیں۔ کہا کہ ابو ہریرہ! کہاں ہے میراث؟ ترکہ کہاں بٹ رہا ہے؟ کہا کہ اس مجلس میں کیا ہو رہا ہے؟ دین کے مسائل بیان ہو رہے ہیں، قال رسول اللہ، قال اللہ کی صدائیں گونج رہی ہیں، یہی تو اللہ کے پیغمبر کا ترکہ ہے۔ یہی تو اللہ کے پیغمبر کا ترکہ ہے۔



(اهمية طلب العلم لسفر الحوالی:3/1)

حقیقی بادشاہ.....علماء

خلیفہ ہارون الرشید اپنی بیوی زبیدہ کے ساتھ بغداد کے بازاروں میں گھوم رہا ہے۔ سواری پر سوار ہے۔ چند حاجب اور سپاہی ساتھ ہیں۔ بعض اوقات تفقّد کیا کرتے۔ رعیت کے حالات دیکھیں۔ کوئی شکایت ہو، کوئی براہ راست بات کرنے والا مل جائے، یہ ایک تفقد کی شکل ہوتی تھی۔ تو بغداد کی سڑکوں میں گھوم رہے ہیں۔ زبیدہ نے ایک چیز نوٹ کی کہ نوجوان جو ہیں اپنی بغلوں میں کتابیں اور کاپیاں تھامے ایک طرف چلے جارہے ہیں۔ ہاتھوں میں دواتیں ہیں، قلمیں ہیں، ایک طرف چلے جارہے ہیں۔ انھیں معلوم ہے ان کا خلیفہ ان کے بیچ گھوم رہا ہے، خلیفے کی طرف کسی کی نگاہ نہیں۔ کوئی دیکھ ہی نہیں رہا، خلیفہ گھوم رہا ہے۔ ٹھیک ہے گھوم رہا ہے۔ لیکن ان پر ایک دھن سوار ہے۔ سب کے چہرے ایک ہی طرف ہیں۔ سب کی سمت ایک ہی طرف ہے۔ زبیدہ نے پوچھا: یہ رش کہاں جارہا ہے؟ اتنا ہجوم، یہ ازدہام کہاں جارہا ہے؟ ان کا خلیفہ ان کے بیچ میں ہے ان کی طرف کوئی نہیں دیکھ رہا۔ یہ ہجوم کہاں جارہا ہے؟ ان پر کیا دھن سوار ہے؟ کہا کہ زبیدہ! آج جامعہ بغداد میں ایک محدث کا درس ہے۔ اس کا نام ہے عبداللہ بن مبارک۔ اس کا درس ہے اور یہ اس کے درس کو سننے کے لیے، حدیثیں لکھنے کے لیے جارہے ہیں۔ زبیدہ نے کیا کہا؟ «فَهُمُ الْمُلُوكُ» پھر بادشاہ تو یہ ہوئے نا۔ تم پھر کس چیز کے بادشاہ ہو؟ تمھارے ساتھ چند چمچے ہیں بس۔ چند سپاہی ہیں بس۔ اور وہ جو بیٹھا ہے جامع بغداد میں، جس کی طرف یہ پروانے دوڑے جارہے ہیں پھر بادشاہ تو وہ ہوا نا۔ تم کیا بادشاہ ہو؟ بادشاہ تو وہ ہوا۔ جس ترقی کو تم ترقی سمجھتے ہو ہمارے نزدیک اس کی یہ حیثیت ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ملوک ہیں۔ جو دنیا کے بادشاہ ہیں ان کی حکومت ابدان پر ہے اور جو دین کے بادشاہ ہیں ان کی حکومت دلوں پر ہے۔ وہ ملوک الابدان ہیں اور یہ ملوک القلوب ہیں۔ دلوں کے بادشاہ۔ ان کے مقام تک کون پہنچ سکتا ہے۔ ایک درس گاہ کی طرف جارہے ہیں یہ ملوک ہیں۔ (جاری ہے)

جس شخص کو اللہ تعالیٰ خیر سے نوازنا چاہتا ہے اسے دین کا فہم عطا کر دیتا ہے (بخاری، مسلم)

گھر بیٹھے علم دین سیکھنے کا جامع پروگرام

- اوپن یونیورسٹی سے آسان طریقہ
- نہ کسی مدرسہ میں داخلہ، نہ مروجہ امتحانات
- ہر عمر کے مرد و خواتین کیلئے
- پورے ملک کے تمام علاقوں کیلئے

تبلیغ اسلام سرٹیفکیٹ کورس | ڈپلومہ: فاضل علوم اسلامی | اسناد فضیلت: المدرس القرآن، الاستاذ، رئیس الاساتذہ

سکولوں، کالجوں اور دینی مدارس کیلئے خصوصی پیکج

تعلیمی بورڈ: ڈاکٹر سہیل حسن، صاحبزادہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن، علامہ زاہد الراشدی، جناب خلیل الرحمٰن چشتی، جناب اکرام اللہ جان، پروفیسر ڈاکٹر حبیب الرحمٰن عاصم، مولانا عبدالمالک، حافظ عاکف سعید، ڈاکٹر ایس ایم زمان، ڈاکٹر سید زاہد حسین، مولانا حنیف جالندھری، ڈاکٹر نجم الدین

دعوت فاؤنڈیشن پاکستان

مکان نمبر 1، STI کالونی پلاٹ نمبر 7 سیکٹر H-9 اسلام آباد فون: 051-4444266، موبائل: 0323-5131416

ای میل: anfides@gmail.com

❶ بلاضرورت تعمیرات؟

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (مدینہ میں) نکلے تو آپ نے ایک اونچا قبہ (نما مکان) دیکھا۔ آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی: یہ فلاں انصاری کا ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ خاموش ہوگئے اور بات دل میں رکھی۔ پھر جب اس کا مالک دوسرے احباب کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپ نے اس سے رخ پھیر لیا۔ آپ نے کئی بار ایسا کیا حتی کہ اسے اندازہ ہوگیا کہ آپ ﷺ اس سے ناراض ہیں اور اس کی طرف توجہ نہیں کر رہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا میرے ساتھ رویہ بدلا بدلا سا محسوس ہوا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ایک دن آپ ﷺ باہر تشریف لے گئے اور تمھارا مکان دیکھا تھا (اور ناگواری کا اظہار کیا تھا) چنانچہ وہ انصاری صحابی گئے اور اپنے مکان کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا۔ پھر ایک دن رسول اللہ ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ کو وہ مکان نظر نہیں آیا۔ پوچھا: قبہ (نما مکان) کا کیا بنا؟ صحابہ نے عرض کی: آپ نے اس کے مالک سے جو بے رخی برتی تھی اس نے ہم سے اس کی وجہ پوچھی تو ہم نے آپ کے تاثرات اس تک پہنچا دیے اور اس نے اسے منہدم کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَمَا إِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهِ إِلَّا مَا لَا، إِلَّا مَا لَا، يَعْنِي لَا بُدَّ مِنْهُ» ”ہر تعمیر اپنے مالک کے لیے وبال کا باعث ہے مگر وہ جو..... مگر وہ جس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔“ (سنن أبي داود: 5237، حسن)

❷ امت کے بہترین اور بدترین لوگ!

سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس امت کے بہترین افراد اللہ کے وہ بندے ہیں کہ جب وہ نظر آئیں تو اللہ تعالیٰ یاد آئے اور اس امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں، دو پیار کرنے والوں کے مابین تفریق ڈالتے ہیں اور جو لوگ کسی حرام کاری میں ملوث نہیں ہیں ان پر الزامات کے متلاشی رہتے ہیں۔“ (السلسلة الصحيحة: 835/2/6، حديث: 2849)

❸ عبادت و ریاضت اتنی نہ کریں!

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”تم ہمیشہ روزے رکھتے ہو اور رات کا قیام کرتے ہو اس طرح تو تمھاری آنکھیں (کمزوری سے) دھنس جائیں گی اور تم اکتا کر تھک ہار جاؤ گے۔“ (السلسلة الصحيحة: 2855) اس حدیث سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ نبی ﷺ صحت کا خیال رکھنے کا بھی شعور پیدا فرماتے تھے۔

❹ کوئی اچھا لگے تو اسے اچھی نصیحت کریں!

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو کسی کی طرز و ادا بھلی لگتی تو آپ اسے نماز کا حکم دیتے۔ (السلسلة الصحيحة: 2953)

❺ اولاد میں اس حد تک برابری کریں!

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا ایک چھوٹا بیٹا آ گیا اس نے اسے پکڑا، چوما اور اپنی گود میں بٹھا لیا۔ کچھ دیر بعد اس کی ایک چھوٹی بیٹی آئی اس نے اسے پکڑا (اور چومے بغیر) ایک طرف بٹھا لیا۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: «فَمَا عَدَلْتَ بَيْنَهُمَا» ”تم نے ان دونوں کے درمیان عدل نہیں کیا۔“ (الكامل لابن عدي: 239/4، والسلسلة الصحيحة: 2994)



غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث

ابوانس



تجارت اور زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی کا واحد حل

حافظ عبدالسمیع
ریسرچ فیلو دارالسلام

انسان اپنی ناکامی اور جہالت کو ہمیشہ چھپاتا رہتا ہے۔اپنے لیے کامیابی،خوبیوں اور کمالات کا خواہش مند رہتا ہے۔ اسی عمل میں عمرِعزیز صرف ہوتی جارہی ہے۔ نہ دن میں چین نہ رات کو سکون۔ بس ایک ڈگر ہے جو چلتی جارہی ہے۔

انسان کو ناکامی سے بچنا اور دانشمند، باشعور بن کر اُبھرنا اچھا لگتا ہے (یہ ایک فطری عمل بھی ہے۔) لیکن اس کے حصول کے لیے راستے کا انتخاب درست نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے ہم اس مشن میں کامیاب نہیں ہو پارہے بلکہ روز بروز زوال کا شکار ہیں۔ اور یہ زوال خطرناک حد تک پہنچ چکا ہے۔

محترم قارئین! اس مشن میں کامیاب ہونے کا سب سے آسان اور واحد حل یہ ہے کہ کامیابی، دانائی، شعور اور عقل مندی جیسی صفات کو پیدا کرنے والے (اللہ تعالیٰ) کی بات مان لی جائے اور اشرف المخلوقات رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع کرلی جائے۔ تو ہماری تمام حماقتیں چھپ جائیں گی اور کمالات و خوبیاں نمایاں ہونی شروع ہوجائیں گی اور ہم کامیابیوں کی معراج تک پہنچ جائیں گے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمام خوبیوں، اچھائیوں اور کمالات کو پیدا کرنے والا ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں تمام اعلیٰ صفات موجود ہیں۔ ہماری کامیابی کا واحد حل اللہ اور اس کے رسول کے احکامات پر عمل کرنا ہے۔

اذانِ جمعہ کے وقت خرید وفروخت

بطور نمونہ اور مثال حکمِ الٰہی ''اذان جمعہ کے وقت خرید و فروخت'' کے متعلق عرض کیا جاتا ہے کہ جمعہ کے دن جب امام خطبہ دینے کے لیے منبر پر موجود ہو اور اذانِ جمعہ شروع ہوجائے تو اس وقت خرید وفروخت سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ''اے ایمان والو! جب پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو۔'' (الجمعة 62:9) اس آیت میں نماز جمعہ کے وقت تجارت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اور اس وقت خرید وفروخت نہ کرنے کو ہمارے حق میں بہتر قرار دیا گیا ہے۔

اس آیت میں ایک تو نمازِ جمعہ کی اہمیت و فضیلت کو بیان کیا گیا ہے اور دوسرا اس خاص وقت میں دنیاوی معاملات کی بجائے دینی معمولات کو ترجیح دینے کی ترغیب دی گئی ہے، یعنی انسان اس وقت میں اپنے رب کو خوب یاد کرے، اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ سے رحم و کرم کی

دعائیں مانگے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جمعہ کے دن اِک خاص گھڑی ہے جس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔'' (صحیح البخاري: 5294) اور سلف صالحین میں سے بعض کا کہنا ہے کہ یہ مبارک لمحات اذانِ جمعہ کے وقت کے ہیں۔ اس کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں، مثلاً نماز عصر سے نماز مغرب تک کا وقت اور طلوعِ آفتاب کا وقت وغیرہ۔

پھر نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد دوبارہ تجارت کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''پھر جب نماز پوری ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت کے ساتھ یاد کرتے رہو، شاید کہ تمھیں فلاح نصیب ہو جائے۔'' (الجمعة 62:10)

اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد زمین میں پھیل جانا اور تلاش رزق کی دوڑ دھوپ میں لگ جانا ضروری ہے۔ بلکہ یہ ارشاد اجازت کے معنی میں ہے۔ چونکہ جمعہ کی اذان سن کر سب کاروبار چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا تھا، اس لیے فرمایا گیا کہ نماز ختم ہونے کے بعد تمھیں اجازت ہے کہ منتشر ہوجاؤ اور اپنا جو کاروبار کرنا چاہو کرو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت کرنے کے بعد فرمایا: ''جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو۔'' (المآئدة 2:5) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ضرور شکار کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد تم شکار کرسکتے ہو۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان تجارت کرنا چاہے تو نمازِ جمعہ کے بعد کرسکتا ہے۔

محترم قارئین! ہم شروع میں عرض کرچکے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی میں دنیا و آخرت کی کامیابیاں پوشیدہ ہیں۔ انسان جس قدر گہرائی کے ساتھ سوچتا چلا جاتا ہے اس پر یہ حقیقت بخوبی واضح ہونا شروع ہوجاتی ہے کہ کامیابی کا معیار صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔

اللہ اور رسول ﷺ کی اتباع کے ثمرات

آپ مذکورہ بالا دونوں آیات کو سامنے رکھیے کہ جو لوگ جمعہ کے دن تجارت کررہے ہوتے ہیں انھیں نماز جمعہ کے وقت تجارت سے روک دیا گیا اور نماز جمعہ کے بعد تجارت کی اجازت دے دی گئی۔

اب میں اپنا آنکھوں دیکھا واقعہ ذکر کرتا ہوں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں دارالعلوم کراچی میں مقیم تھا۔ وہاں نماز جمعہ سے پہلے پھل، سبزی فروش مختلف علاقوں سے اپنے اپنے ٹھیلے لے کر دارالعلوم کے مرکزی گیٹ کے نواح میں جمع ہوجاتے تھے اور لین دین بالکل نہیں کرتے تھے۔ باقاعدگی سے نماز جمعہ میں شریک ہوتے اور پھر نماز کے اختتام پر وہاں کا بازار گرم ہوجاتا تھا۔ اس وقت فروخت کرنے والوں کا مال بھی خوب بک جاتا تھا اور خریداروں کو بھی آسانی اور سہولت کے ساتھ نہایت مناسب داموں اچھی چیزیں مل جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ ہم مقیم طلباء ہفتے بھر کے



پیزا

کیسا غضب ہے گورے نے ہم پہ یہ ڈھا دیا
روٹی کے بدلے اُس نے ہے پیزا بنا دیا

ابا نے پوچھا اماں سے، کھانا پکا دیا؟
اماں نے کام کاج کا دُکھڑا سنا دیا

مما نے رات بھر تھا جو ٹی وی چلا دیا
منے کو فاسٹ فوڈ سے کھانا منگا دیا

بچوں کو خود ہی ماؤں نے چسکا لگا دیا
اور خود کو سلمندی کا عادی بنا دیا

معدے کو ہر مرض کا ہے اب گھر بنا دیا
کچھ گر کسر تھی رہ گئی سیور کھلا دیا

آدھا بجٹ دواؤں کے بل پہ اُڑا دیا
جو بچ رہا وہ ڈاکٹر کو تھا تھما دیا

بیگم کا چولہے سے ہے جو پیچھا چھڑا دیا
گھر کے بجٹ کا پیزے نے ''بھٹہ'' بٹھا دیا

پیزے نے اب صحت کو ہے اتنا گرا دیا
بچوں کو ساٹھ سال کا بوڑھا بنا دیا

(میر وقار عزیز)



لیے پھل وغیرہ اسی بازار سے خریدتے تھے جو نہایت معیاری اور سستا ہوتا تھا۔ میرے خیال سے آج بھی وہاں پر ہر جمعہ کو یہی صورت حال دیکھنے کو ملتی ہے۔

محترم قارئین! یہ آنکھوں دیکھا حال ان تاجروں اور خریداروں کا ہے جو صرف اس حکم الٰہی پر عمل کرتے ہیں۔ انھیں دنیا و آخرت کے دونوں طرح کے فوائد حاصل ہوجاتے ہیں۔ نمازِ جمعہ کی ادائیگی بھی اور بہترین تجارت بھی۔

ہماری پستی کے اسباب

آج ہم جس پستی اور زوال کا شکار ہیں اس کے اسباب میں سے اہم سبب اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات سے ناآشنائی اور غفلت برتنا ہے۔ آپ دنیا کے بدلتے حالات دیکھیے، مسلمان ظلم وستم کی چکی میں پستے ہوئے دکھائی دیں گے۔ ہرجگہ ظالم اغیار اور مظلوم مسلمان ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

یادرکھیے! صرف اس لیے کہ ہم اپنی توانائیاں اور صلاحیتیں امت مسلمہ کی فلاح و بہبود کے لیے صرف نہیں کررہے بلکہ ہماری صلاحیتوں اور توانائیوں کا مصرف ذاتی مفادات اور اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خلاف سازشیں بُننا ہے۔ کاش! ہم بحیثیت مسلمان سوچیں، ہمارے سوچنے کا انداز یکساں ہوجائے، جب ہمارے دلوں کی دھڑکنیں، سوچ کا معیار، جذبات وخیالات ہم آہنگ ہوجائیں گے تو اسی دن سے ترقی کا سفر شروع ہوجائے گا۔

اپنی سمت درست کیجیے

مثال کے طور پر یہ بات عرض کرتا ہوں کہ عموماً ہر انسان میں اپنے مدِمقابل کو زیر کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔ انسانی عنصر میں غصہ، جذبہ انتقام وغیرہ جیسی صفات شامل ہیں۔ ہم انھی صفات پر تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ صفات اپنی ذات کے اعتبار سے نہ قابل مذمت ہیں اور نہ ہی قابل تحسین۔ بلکہ اچھا یا بُرا ہونا ان کے استعمال کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنے ذاتی مفاد کی خاطر اپنے ہی مسلمان بھائیوں کو تنگ کرنا، انھیں نقصان پہنچانا اور انھیں زیر کرنا شروع کردے تو یقیناً یہ بدترین فعل ہے۔ اور اگر کوئی انسان اپنے ان جذبات وخیالات کو اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے دشمنوں کے خلاف استعمال کرتا ہے تو یہ بہترین عمل ہے۔ اس کی بدولت کلمہ اسلام سربلند ہوگا، توحید کا پرچم لہلہائے گا اور انسانیت کے لیے امن وامان کا ذریعہ بنے گا۔

آج ہمیں اپنی سمت کو درست کرنا ہے۔ اس کے لیے آپس میں اتفاق واتحاد اور اعتماد کی فضا ہموار کرنی پڑے گی۔ جس معاشرے میں اعتماد کا فقدان ہوتا ہے وہ معاشرہ ''بدترین معاشرہ'' کہلاتا ہے۔ اور جس معاشرے میں اعتماد کی فضا قائم ہو وہ نہایت پاپولر اور ''بہترین معاشرہ'' کہلاتا ہے۔

دوست اور دشمن کی پہچان

دنیا میں کہا جارہا ہے کہ'' آج دوست اور دشمن کی پہچان کرنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔'' یقیناً غیر اسلامی معاشروں میں یہ بات درست ہوسکتی ہے۔ لیکن فرزندانِ اسلام کے منہ سے یہ جملہ نکلنا نہایت افسوس اور صدمے کا باعث ہے۔ اس لیے کہ ہمارے پاس دوست اور دشمن کو پرکھنے کا معیار موجود ہے۔ اور وہ ہے کتاب وسنت، یعنی جو بندہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے، ان کی اطاعت کرتا ہے، اسلامی احکامات پر عمل پیرا ہے اور شیطانی ہتھکنڈوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ نہ صرف ہمارا دوست ہے بلکہ وہ ہمارا بھائی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ ''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔'' (الحجرات 49:10) اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے، یعنی اللہ کی وحدانیت کا اقرار نہیں کرتا، محمد ﷺ کو اللہ کا آخری اور سچا نبی تسلیم نہیں کرتا تو ہر ایسا شخص ہمارا دوست، خیرخواہ اور ہمدرد نہیں ہوسکتا۔ بس ایسے افراد سے بچنے کی کوشش کی جائے اور انھیں حکمت ودانائی سے اسلام کے دامن رحمت میں داخل کردیا جائے تاکہ وہ بھی ہمارے بھائی بن جائیں اور دنیا وآخرت کی کامیابیوں سے ہمکنار ہوسکیں۔

پستی اور زوال سے نکلنے کا واحد حل یہی ہے کہ ہم ہرحال میں احکاماتِ الٰہی کی پابندی کریں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں۔ ان شاء اللہ ہم ہر محاذ پر کامیاب و کامران ہوں گے، ہماری معیشت مضبوط و مستحکم ہوگی، معاشرے میں امن و امان قائم ہوگا۔ آپس میں اعتماد کی فضا بحال ہوگی اور پوری روئے زمین پر مسلمانوں کا رعب و دبدبہ قائم ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ



آپ کے سوالات اور ان کا حل

ابوالحسن حافظ عبدالخالق، ریسرچ فیلو دارالسلام

سوال مفتی صاحب! میرا سوال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نماز جنازہ ہوئی تھی؟ اگر ہوئی تھی تو کس نے کس طرح پڑھائی تھی؟ کیا نماز جنازہ میں خلفاء راشدین شامل ہوئے تھے؟ اس سوال کا جواب تفصیل کے ساتھ مستند روایات کی روشنی میں تحریری طور پر دیں، شکریہ۔ (سمیر الحسن ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

جواب مستند صحیح احادیث کی روشنی میں یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ ہوئی ہے لیکن ادائیگی کی وہ عام صورت اختیار نہیں کی گئی جس کا احادیث مبارکہ میں ثبوت ملتا ہے، یعنی کسی ایک امام کے پیچھے اجتماعی طور پر آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، بلکہ لوگ حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں ٹولیوں کی شکل میں داخل ہوتے اور فرداً فرداً نماز جنازہ پڑھ کر نکلتے جاتے۔ جہاں تک خلفاءِ راشدین کا نماز جنازہ پڑھنا اور اس کی تصریح کا سوال ہے تو اس کی تصریح تو معلوم نہیں اور نہ اس موضوع کی روایات میں اس کا ذکر ہی ملا ہے، البتہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے، جیسا کہ آئندہ سطور میں ذکر ہوگا کہ انھوں نے صحابہ کے استفسار پر انھیں آپ علیہ السلام کی نماز جنازہ پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی، اس موقع پر خلفاءِ راشدین بھی موجود تھے اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی، جب عام صحابۂ کرام سے اس کا ثبوت ملتا ہے تو خلفاءِ راشدین نے بھی ضرور پڑھی ہوگی کیونکہ وہ بھی آپ علیہ السلام سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ اس موقع پر جبکہ تقریباً تمام معروف اور قدیم الاسلام صحابۂ کرام موجود تھے، ان خلفاء راشدین کا آپ کی نماز جنازہ نہ پڑھنا بعید از قیاس لگتا ہے، خصوصاً جبکہ ان کے نہ پڑھنے کی دلیل بھی تو موجود نہیں، پھر اصولاً عام دلیل کے مقابلے میں ہر صحابی کے نام کی تصریح یا تمام صحابۂ کرام کا نماز جنازہ پڑھنا بھی تو ضروری نہیں، نہ اس سے نفس مسئلہ پر کوئی اثر ہی پڑتا ہے۔

اس حوالے سے چند مستند احادیث ملاحظہ **فرمائیے**، حقیقت مسئلہ خود بخود واضح ہوجائے گی:

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی شمائل ''الشمائل المحمدیۃ'' «بَابُ مَاجَاءَ فِي وَفَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ» کے تحت رسول اللہ ﷺ کی وفات اور آخری لمحات کے احوال پر مشتمل ایک تفصیلی صحیح حدیث روایت کی ہے۔ اس کے آخر میں یہ تصریح بھی منقول ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف مسائل پوچھنے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ کی بابت بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا تھا۔ انھوں نے کہا: «يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللّٰهِ: أَيُصَلّٰى عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالُوا: وَكَيْفَ؟ قَالَ: يَدْخُلُ قَوْمٌ فَيُكَبِّرُونَ وَيُصَلُّونَ وَيَدْعُونَ، ثُمَّ يَخْرُجُونَ، ثُمَّ يَدْخُلُ قَوْمٌ فَيُكَبِّرُونَ وَيُصَلُّونَ وَيَدْعُونَ، ثُمَّ يَخْرُجُونَ.....» ''اے رسول اللہ ﷺ کے صاحب! کیا رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، صحابہ نے پوچھا: وہ کیسے؟ انھوں نے جواب

دیا: کچھ لوگ داخل ہوں اور تکبیرات کہیں، درود پڑھیں اور دعائیں کریں، پھر نکل آئیں، بعد ازاں دوسرے لوگ اندر جائیں، وہ بھی تکبیرات کہیں، درود پڑھیں اور دعائیں کریں اور باہر آجائیں.....۔'' (مختصر الشمائل المحمدية، از البانی، حدیث:333) یہ حدیث صحیح ہے، ابن ماجہ (حدیث: 1628 عن ابن عباس) اور دلائل النبوۃ (250/7 عن سهل بن سعد) میں بھی آئی ہے لیکن ان کی سند ضعیف ہے، جبکہ بنیادی مسئلہ مستند احادیث کی وجہ سے صحیح ہے۔ نماز جنازہ کا طریقہ یہی ہے، یہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اختصار سے کام لیا ہے، جبکہ فاتحہ وغیرہ کا ذکر جنازے سے متعلقہ دیگر احادیث میں ملتا ہے۔

مسند احمد میں بھی رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھنے کی تصریح ملتی ہے۔ واقعہ کے چشم دید گواہ صحابیٔ رسول حضرت ابوعسیب رضی اللہ عنہ ہیں۔ فرماتے ہیں: «فَكَانُوا يَدْخُلُونَ مِنْ هٰذَا الْبَابِ، فَيُصَلُّونَ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَخْرُجُونَ مِنَ الْبَابِ الْآخَرِ.....» ''لوگ اس دروازے سے داخل ہوتے اور آپ کی نماز جنازہ پڑھ کر دوسرے دروازے سے نکل جاتے۔'' (مسند أحمد 81/5، مسند أحمد محقق (شيخ شعيب ورفقاء) 365/34، وإسناده صحيح)

امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے موطأ میں لکھا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ فرداً فرداً پڑھی ہے، کوئی امام نہیں تھا، «وَصَلَّى النَّاسُ عَلَيْهِ أَفْذَاذًا، لَا يَؤُمُّهُمْ أَحَدٌ» (موطأ، بترقيم فواد عبدالباقي: 231/1، حديث: 27)

معروف محدث و فقیہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: «وَأَمَّا صَلَاةُ النَّاسِ عَلَيْهِ أَفْذَاذًا، فَمُجْتَمَعٌ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ السِّيَرِ وَجَمَاعَةِ أَهْلِ النَّقْلِ لَا يَخْتَلِفُونَ فِيهِ» ''رہا رسول اللہ ﷺ کی فرداً فرداً نماز جنازہ پڑھنے کا مسئلہ تو تمام سیرت نگاروں اور اہل نقل (محدثین وغیرہ) کی جماعت کا اس پر اجماع ہے، اس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں۔'' (تمهيد ابن عبدالبر: 397/24)

عظیم مؤرخ و محدث اور مفسر امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: «وَهٰذَا الصَّنِيعُ، وَهُوَ صَلَاتُهُمْ عَلَيْهِ فُرَادٰى لَمْ يَؤُمَّهُمْ أَحَدٌ عَلَيْهِ، أَمْرٌ مُجْمَعٌ عَلَيْهِ لَا خِلَافَ فِيهِ.....» ''اور یہ عمل، یعنی صحابۂ کرام کا آپ علیہ السلام کی اکیلے اکیلے اس طرح نماز جنازہ پڑھنا کہ کسی ایک نے بھی ان کی امامت کے فرائض سرانجام نہیں دیے، ایسا کام ہے جس پر اجماع ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔'' (البداية والنهاية: 376/5 به مراجعت شيخ عبدالقادر ارنائوط و دكتور بشار عواد)

مذکورہ نصوص اور ائمہ کی تصریحات سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھی گئی ہے لیکن فرداً فرداً، باقاعدہ کوئی امام نہ تھا، اس بات پر تمام ائمہ وعلماء کا اتفاق ہے، اور جس روایت میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے۔ (نيل الأوطار: 47/4) وباللہ التوفیق.

سوال مجلسِ تعزیت میں میت پر فاتحہ خوانی یا مروجہ دعا کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (سردار گل باز، ایبٹ آباد)

جواب میت کے حق میں اجتماعی دعا کے دو ہی مسنون محل یا موقع ہیں: نماز جنازہ اور دفنانے کے بعد قبر پر اجتماعی دعا کرنا اور بس، اس کے بعد میت کو کسی محل و مکان کی تخصیص کے بغیر انفرادی طور پر اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھنا اہل ایمان کا شیوہ ہے، اسی کا ثبوت قرآن وسنت میں ملتا ہے، جبکہ مروجہ یا آپ کے ذکر کردہ طریقۂ دعا کا ثبوت کہیں نہیں ملتا اس لیے یہ طریقہ غیر مسنون ہے، بلکہ موجودہ دور کی بدعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ وتابعین وغیرہ کے دور میں اس قسم کی دعا کا رواج نہ تھا۔ تو کوئی عبادت یا عمل بظاہر کتنا ہی عمدہ اور نیک کیوں نہ محسوس ہوتا ہو لیکن اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے نہ ملتا ہو تو اسے بجا لانا یقیناً بجائے ثواب کے گناہ کا باعث ہوتا ہے۔

مزید یہ کہ تعزیت کی اس قسم کی مجالس میں دعائیں بھی روایتی قسم کی ہوتی ہیں، نیز تین دن تک تعزیت کے لیے کسی وقت یا جگہ کو مخصوص کرنا بھی تو قرآن وسنت سے ثابت نہیں جیسا کہ ہمارے ہاں اس کا عام رواج ہے بلکہ تعزیت کسی وقت یا کسی بھی جگہ ہوسکتی ہے۔ یہ رواج بھی بعد کا ہے جس کا ثبوت سلف سے نہیں ملتا، بلکہ صحابۂ کرام میت کے گھر میں اس قسم کے اجتماع کو از قسمِ نوحہ شمار کرتے تھے۔ (مسند احمد: 204/2، مسند احمد محقق: 505/11، وسنن ابن ماجه، حديث: 1612)

المختصر دعا یا میت کے حق میں استغفار کرنے میں اختلاف یا انکار نہیں، بلکہ اختلاف مروجہ طریقۂ دعا یا اس کی اس مذکورہ ہیئت و کیفیت میں ہے جو ہمارے ہاں رائج ہے تو جو لوگ مروجہ طریقے کی دعا نہیں مانگتے انھی کا عمل سنت کے موافق ہے۔ اس بنا پر ان سے اظہارِ محبت کرنا چاہیے نہ کہ ان سے عداوت رکھنی چاہیے یا تعصب کا شکار ہونا چاہیے۔

سوال ایک خاندان کے فرد نے دوسرے خاندان کے فرد کو قتل کر دیا ہے۔ اب وہ دونوں خاندان آپس میں صلح کرنا چاہتے ہیں لیکن مقتول کے ورثاء اس بنا پر راضی ہوئے ہیں کہ ان کو شرعی لحاظ سے دیت دی جائے۔ براہِ مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ دیت کیا ہوگی۔ قیمت نکال کر دیت واضح کریں۔ جزاکم اللہ (محمد ریاض، لاہور)

جواب شرعاً دیت سو اونٹ ہے، چونکہ مذکورہ قتل، قتلِ عمد ہے، یعنی قاتل نے جان بوجھ کر مقتول کو قتل کیا ہے، غلطی سے قتل نہیں ہوا، اس لیے اس کی دیت بھی سخت ہے، یعنی سو اونٹ ایک عمر کے اور سستی قیمت کے نہیں ہوں گے، بلکہ یہ جس عمر اور خاصیت کے حامل ہیں وہ بھاری قیمت کے ہوں گے۔ اور وہ ہیں تیس حِقّے (تین سالہ تیس اونٹنیاں) تیس جَذَعے (چار سالہ تیس اونٹنیاں) اور چالیس حاملہ اونٹنیاں، جیسا کہ سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 2626 میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے تفصیلی حدیث منقول ہے۔

ہاں اگر فریق مخالف مقتول کے وارثوں کو مذکورہ دیت سے کم پر یا ممکنہ حد تک کسی قیمت پر یا جیسے بھی راضی کر لے جائز ہے، شرعاً اس کی اجازت ملتی ہے کیونکہ مذکورہ دیت (سو اونٹ مذکورہ اوصاف کے ساتھ) ایک عام قانونی دیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «وَمَا صُولِحُوا عَلَيْهِ، فَهُوَ لَهُمْ» ''اگر (اس سے کم) کسی مقدار پر صلح ہو جائے تو انھیں اس کا حق حاصل ہے۔'' (سنن ابن ماجه، حديث: 2626)

المختصر مذکورہ عمروں یا اوصاف کے حامل اونٹوں کی منڈی کے ریٹ کے مطابق قیمت لگوالی جائے، کیونکہ جانوروں کے ریٹ کم زیادہ ہوتے رہتے ہیں، اس لیے اصل معیار منڈی ہی ہے، اس لیے ریٹ کے تعین میں اٹکل یا تخمینے سے پرہیز ہی بہتر ہے۔



ماہ اگست کے درست جوابات

① اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر آ کر فرماتا ہے: ''کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اسے عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے میں اسے بخش دوں۔'' (صحیح مسلم: 758)

② وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ نے حالت کفر میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اور حالت ایمان میں مسیلمہ کذاب کو جہنم واصل کیا تھا۔

③ حج کے مہینے تین ہیں: شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ۔

④ پاکستان 27 رمضان المبارک کو معرض وجود میں آیا۔

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ کے لیے فری رسالہ پانے والوں کے نام

شاہد فاروق (گوجرانوالہ) رانا عبدالرزاق، حافظ محسن علی، بریرہ عبداللطیف (لاہور) امیر حمزہ (ننکانہ)

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① برے اہتمام کے ساتھ رکھ کر دینے سے اس کے اندر یہ تاثر ابھرے گا کہ ایک معزز مہمان ہوں۔

② دوسرے کا گناہ یہ ہے وہ صحیح استنجا نہیں کرتا تھا۔

③ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔

④ آج کل بھی عورتوں میں یہ رجحان عام ہے اور اپنی عمر چھپانے کے لیے دسیوں قسم کے فیشن اور میک اپ کرتی ہیں۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

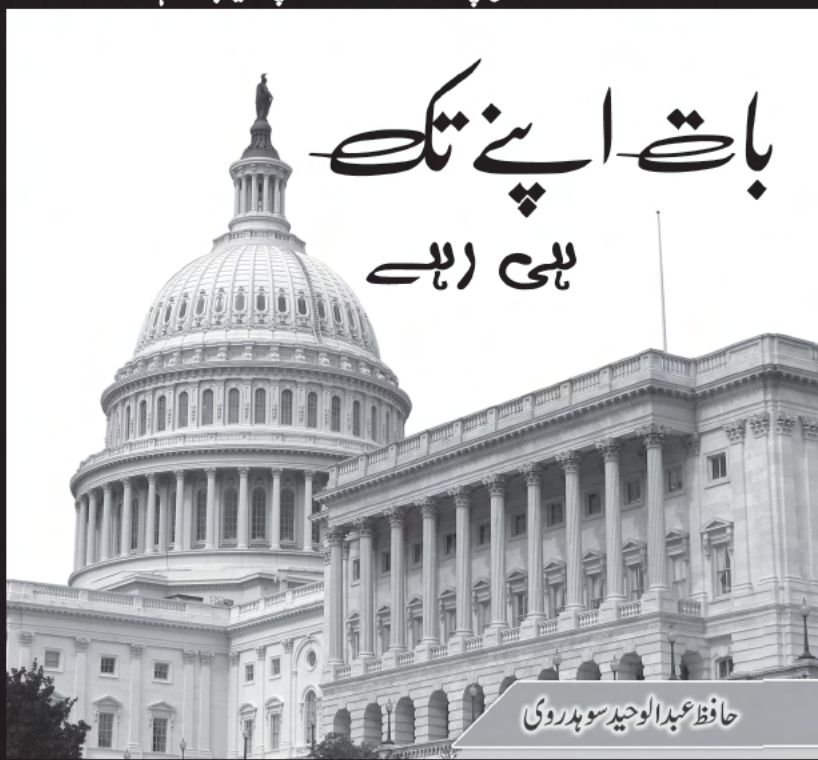
① نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ قرآن اور حدیث سے ایک ایک دلیل دیں۔

② نبی مرزا قادیانی پر سب سے پہلے کفر کا فتویٰ کس عالم دین نے لگایا؟

③ مرزا قادیانی کے خلاف لکھی گئی کتابوں میں سے تین کے نام لکھیں۔

④ حج کب فرض ہوا؟

بات اپنے تک ہی رہے



حافظ عبدالوحید سوہدروی

ہمارے قارئین امریکہ سے نئی نئی معلومات جاننے کے منتظر رہتے ہیں۔ اس بار گزارش اتنی ہے کہ یہ بات اپنے تک ہی رہے تو بہتر ہے۔

خبر یہ ہے کہ گزرنے والے ماہ رمضان المبارک کے دوران دوسری مساجد کی طرح ہماری مسجد میں بھی عشاء کے وقت چندہ اکٹھا کرنے والوں کی آمد رہی۔ لیکن پاکستان کی طرح ان لوگوں کو یہاں حقیر نہیں سمجھا جاتا بلکہ ان کی خدمات کو سراہا جاتا ہے۔ پھر چندہ مانگنے والے پیشہ ور نہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہوتے ہیں۔ یہاں ایک وقت میں پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق صرف ایک ہی تنظیم کو اپیل کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ چونکہ ہمارے مسلمان بھائی صرف رمضان میں ہی صدقہ و خیرات اور زکاۃ نکالنے کے عادی بن چکے ہیں، لہٰذا ہر کوئی چاہتا ہے کہ بھینس کا دودھ جتنا ہو سکے دوہ لیں ''پسی'' ہوئی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ امریکہ کی طرف سے مسلمانوں کو اچھی خبر کم ہی سننے میں آتی ہے۔ لہٰذا میری کوشش ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس کمی کو پورا کیا جاتا رہے تاکہ ہمارے لوگ ہمیشہ مایوسی کا شکار ہی نہ بنے رہیں۔ اللہ تعالیٰ شر سے خیر پیدا فرماتا رہتا ہے۔ ہم انسان تو ظاہر میں جو دیکھتے سنتے ہیں اسی پر اپنی خوشی غمی کی بنا رکھ لیتے ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِراً مِنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''وہ تو دنیوی زندگی کے ظاہر ہی کو جانتے ہیں۔'' (الروم 7:30)

لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ کم از کم میڈیا کے ذریعے ملنے والی خبروں پر غمگین ہونے کی عادت کو بدلنے کی کوشش کریں۔ اگرچہ مکمل طور پر اخبار، ریڈیو اور ٹی وی کا مقاطعہ ممکن نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے مقاطعہ سے سکون بہت ملتا ہے جب اللہ پاک کی فراہم کردہ اخبار (قرآن و حدیث) کے مطالعہ کی عادت ڈال لی جائے۔ آج کل مغربی میڈیا سے کسی اچھی خبر کی امید رکھنا مسلمان کی نادانی ہے۔ دل آزاری کی خبریں آپ جتنی چاہیں سن لیں۔

رمضان میں چندہ مانگنے والوں کے اغراض و مقاصد تو مختلف ہوتے ہیں، تاہم ہمیں صرف دو اپیل کنندگان کا تذکرہ مقصود ہے جن سے تعاون پر لوگوں نے مسرت کا اظہار کیا۔

① یہ یونیورسٹی آف ہوسٹن کے مسلم طلباء کی تنظیم مسلم سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن ہے۔ تنظیم کے صدر نے اپنی تنظیم کی کارکردگی پر مختصر سی روشنی ڈالتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ وہ یونیورسٹی میں ہر ماہ غیر مسلم طلباء کے لیے ایک دعوہ ٹیبل کا اہتمام کرتے ہیں جس پر اسلام کا تعارفی لٹریچر بصورت پمفلٹ و کتب مفت پیش کیا جاتا ہے اور اس سے بفضل اللہ خاطر خواہ نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔ واضح رہے کہ اسی قسم کے پروگرام امریکہ کی دوسری یونیورسٹیوں میں بھی وقتاً فوقتاً منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح پڑھے لکھے لوگوں کا اسلام میں داخل ہونا اس بات کی نفی کرتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ یہ صرف ایک الزام ہے جو صرف اپنے عجز کو چھپانے کے لیے دھر دیا جاتا ہے۔ اب امریکہ میں کون سی تلوار لٹک رہی ہے جس کے خوف

سے آئے دن لوگ سلامتی کے مذہب میں داخل ہورہے ہیں۔ ذرا سوچیے کہ جب تلوار کا خوف جاتا رہے تو ایسے لوگوں کو مرتد ہونے سے کون روک سکتا ہے۔ مگر ایسا کہیں ہوا تو نہیں۔ بلکہ امریکہ میں تلوار تو آج کل مسلمانوں کے سر پر لٹک رہی ہے اس کے باوجود لوگوں کا اسلام قبول کرتے جانا اس کی سچائی کی دلیل نہیں تو کیا ہے، فللہ الحمد.

② یہ طلباء کا گروپ اس لیے مالی تعاون کا خواستگار ہوا کہ چند ایسے طلباء کے لیے مالی تعاون کی ضرورت ہے جنھیں یہ مصر کی الازہر یونیورسٹی میں اسلامی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجتے ہیں تاکہ واپس آکر وہ یہاں کی دینی ضروریات پوری کریں۔ کیونکہ امریکہ کی بدلی ہوئی پالیسی کے تحت اب غیر ملکی علماء کو امریکہ آنے کے لیے ویزے کا حصول بہت دشوار بن چکا ہے اور مستقبل میں یہ سلسلہ منقطع بھی ہوسکتا ہے۔

کتنا سچ فرمان ہے اللہ پاک کا: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ ''جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لیے بہت ساری راہیں کھول دیتے ہیں۔'' (العنکبوت 69:29) چنانچہ ان طلباء کی کوششوں کے جو اثرات چند سال بعد ظاہر ہوں گے تو ان شاء اللہ حوصلہ افزا ہی ہوں گے۔ امریکہ میں باہر سے آئے ہوئے علماء انگلش پر عبور نہ رکھنے کی وجہ سے کماحقہٗ فریضہ تبلیغ ادا نہیں کرسکتے۔ ان کے مقابلے میں یہاں کے پیدائشی اور تعلیم یافتہ طلباء ہر لحاظ سے امریکہ میں تبلیغی کام کے لیے ان شاء اللہ موزوں ترین ثابت ہوں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نوجوانوں کے اندر یہ لہر یہاں کے منفی حالات نے پیدا کی جس کی عام حالات میں توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی کہ ایک دنیاوی تعلیم مکمل کرنے والا طالب علم ڈالر کمانے کی بجائے دین کے لیے اپنے آپ کو وقف کردے گا۔ یقیناً یہ یہاں کے لیے ایک خوش آئند مستقبل کی علامت ہے۔

مذکورہ دو گروپوں کے علاوہ ایک تیسرا گروپ ہے جس نے مقامی طور پر یونیورسٹی کے طلباء کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔ وہ امریکہ کی مختلف یونیورسٹیوں میں (Weekend) یعنی ہفتہ اتوار کے روز کلاسوں کا اہتمام کرتے ہیں جن میں اللہ کے فضل سے سیکڑوں مرد و خواتین شریک ہوتے ہیں۔ اگرچہ چار سال قبل کسی شک کی بنیاد پر ایف بی آئی نے اس کے ایک سو کے لگ بھگ طلباء کے انٹرویو بھی لیے تھے۔ مگر اللہ کی توفیق سے انھیں ہراساں نہیں کیا جاسکا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری و ساری ہے۔ کیا قرآن کے اس اعلان کو کوئی جھٹلا سکتا ہے: ﴿هُوَالَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ ''اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے دوسرے تمام مذاہب پر غالب کردے، اگرچہ مشرک برا ہی مانیں۔'' (التوبۃ 33:9)

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمارے نوجوانوں کو نظرِ بد سے بچائے اور انھیں استقامت عطا فرمائے، آمین۔

حمد

(راجا رشید محمود) پیشکش: محسن فارانی

ملتی ہیں ہر قدم پہ ہمیں یہ شہادتیں
کرتا ہے پوری سب کی خدا سب ضرورتیں

رب کے حرم کی دید کی پاکر سعادتیں
زوّار کی کھلی ہوئی پائیں طبیعتیں

ہے ابتدا ہی اس کی ورائے شعور و فکر
دیکھے تو کون لطف خدا کی نہایتیں

پہلی نظر جو بیت خدا پر پڑی مری
ساری فَفِرو ہوگئی تھیں دل کی حسرتیں

بندوں کو دیکھو خانہ کعبہ کو دیکھتے
دھندلائی ہوئی پاؤ گے ساری بصارتیں

کب اس کے بعد ہم نے کہیں سفر کیا
مکے پہنچ کر ختم ہوئیں سب مسافتیں

مالک نے دوست اپنا دیا ہے قرار اسے
عہد خدا میں کام جو آئیں ریاضتیں

وسیرت پہ آنحضور کی چلنے کو رہنما
ہیں مصحفِ خدائے عوالم کی آیتیں

مزدلفہ و عرفات کی جانب چلے جو ہم
ہر ہر قدم پہ کھلتی گئی ہیں حقیقتیں

احکام رب پہ چلنے میں ہم مار کھاگئے
ہم کو ملی تھیں دنیا میں گو لاکھ مہلتیں

1965ء میں

بھارت سے جہاد بدر واُحد کی یاد



محمد ارسلان حجازی

آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل (ر) حمید گل کا ایمان افروز انٹرویو







ضیائے حدیث جنرل صاحب! پروفیشنل زندگی اور آئی ایس آئی کے سابق ڈی جی کے حوالے سے دنیا میں جتنی آپ کی شہرت ہے نجی زندگی کے حوالے سے لوگ آپ کے بارے میں اتنا ہی کم جانتے ہیں۔ میں چاہوں گا کہ آپ سب سے پہلے ذاتی زندگی کے حوالے سے ہمارے قارئین کو آگاہ فرمائیں؟

جنرل صاحب آپ کا سوال بہت دلچسپ ہے۔ بات یہ ہے کہ پروفیشنل فوجی افسر کا لائف سٹائل عام آدمی سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ عوامی، سماجی اور سیاسی زندگی گزارنے والے اور فوجی افسر کی زندگی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے اس سلسلہ میں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ میرا آبائی وطن سوات ہے۔ میرے پردادا فیض محمد خان سوات کے رہنے والے تھے اور ان کا تعلق یوسف زئی قبیلے سے تھا۔ وہ بہت غیور انسان اور خوددار و شعوری مسلمان تھے۔ وہ اسلام کے تقاضوں کو بخوبی سمجھتے تھے اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے کے ساتھ ساتھ جذبہ جہاد سے بھی سرشار تھے۔ سید احمد اور شاہ اسماعیل شہید رحمہما اللہ کے قافلۂ جہاد نے 17 جنوری 1926ء کو راہ ہجرت میں قدم رکھا تھا اور ایک لمبا سفر کرتے ہوئے سرحد پہنچے تو اس موقع پر انھوں نے بونیر اور سوات کا دورہ کیا تو وہاں کے رؤساء، زعماء اور علماء نے سید احمد کا والہانہ وفد و یانہ استقبال کیا اور راہِ جہاد میں ہر قسم کی قربانی و تعاون کا یقین دلایا۔ اس موقع پر جن لوگوں نے سید احمد شہید کے دست حق پرست پر بیعت جہاد کی ان میں میرے پردادا فیض محمد خان بھی تھے۔ یہ زندگی اور موت کی بیعت تھی یہی وجہ ہے کہ میرے پردادا تادمِ موت راہِ جہاد میں پابہ رکاب رہے۔ 6 مئی 1831ء کو بالاکوٹ میں سکھ فوج کے ساتھ جو تاریخی معرکہ لڑا گیا اس معرکہ میں میرے پردادا بھی شامل تھے۔ معرکہ بالاکوٹ کے ایک عرصہ بعد وہ ہجرت کر کے لاہور آ گئے تاہم تحریک مجاہدین سے ان کا تعلق و ربط بدستور قائم رہا۔

لاہور میں میرے پردادا نے خلجی خاندان میں شادی کی تو اللہ نے ان کو دو بیٹے دیے۔ بڑے بیٹے کا نام غنی خان رکھا اور چھوٹے کا نام خیراتی خان رکھا۔ غنی خان جوان ہوئے تو فوج



میں بھرتی ہوگئے۔ دونوں بھائی لاہور میں ہی دو بہنوں سے بیاہے گئے۔غنی خان لاولد رہے جبکہ خیراتی خان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھی۔ بڑے بیٹے کا نام شیر خان اور چھوٹے کا نام محمد خان تھا۔ شیر خان اور محمد خان ابھی کم سن ہی تھے کہ ان کے والد خیراتی خان وفات پاگئے۔ غنی خان جو کہ لاولد تھے انھوں نے اپنے بھائی کی اولاد کو اپنے جگر گوشے سمجھ کر پالا۔ دین سے محبت اور غیرت وخودداری غنی خان کو اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی لہٰذا انھوں نے یہ دولت اپنی اولاد (بھتیجے، بھتیجیوں) تک بخوبی پہنچائی اور بچوں کی اسلامی اصولوں کے مطابق اچھی تربیت کی۔فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد غنی خان اپنے خاندان سمیت سرگودھا سے تین میل کے فاصلے پر چک صوبیدار 38 شمالی میں آباد ہوگئے۔ شیر خان اور محمد خان جب جوان ہوئے تو یہ تحریک خلافت کے عروج کا دور تھا۔

ہندوستان بھر کے مسلمان خلافت عثمانیہ کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے یک دل، یک قدم اور یک جان ہوچکے تھے۔محمد خان اس وقت شعبہ فوج کے اکاؤنٹنٹ ڈیپارٹمنٹ میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے، مستعفی ہوکر تحریک خلافت میں شامل ہوگئے۔محمد خان میرے والد گرامی تھے۔ مجھ سے بڑی دو بہنیں تھیں۔تیسرے نمبر پر میں تھا اور پھر دو بہنیں مجھ سے چھوٹی تھیں۔ اس طرح میں پورے گھر کا اکلوتا بچہ تھا۔

سرگودھا میں میں نے جس سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی وہ ایک روایتی سکول تھا جس طرح کے آج سے نصف صدی قبل پنجاب کے دیہات کے سکول ہوا کرتے تھے۔ نہ عمارت، نہ کمرہ اور نہ طلبہ کے بیٹھنے کی جگہ اور نہ سایہ۔ جبکہ ایک کھلا میدان، جہاں بچے کھلے آسمان تلے کچی زمین پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے۔گرمی ہوتی تو ہم درختوں کے نیچے بیٹھ جاتے اور بارش ہوتی تو مسجد میں بیٹھ جاتے۔ اس طرح سے میں نے کچی زمین اور ٹاٹ پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کی جس پر بلاشبہ مجھے فخر ہے۔ اس وقت کے سکولوں کی نہ عمارتیں ڈھنگ کی تھیں اور نہ فرنیچر، تاہم ان سکولوں کی سب سے بڑی خوبی اور انفرادیت یہ تھی کہ یہ مساجد سے متصل ہوتے تھے۔ظہر کی نماز بچے اپنے اساتذہ کی زیرنگرانی مساجد میں باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔بچپن ہی سے مساجد سے تعلق اور باجماعت نماز کی ادائیگی کا بچوں کی شخصیت کی تعمیر پر گہرا اثر مرتب ہوتا۔بچوں کا دین اور اخلاق وشرافت سے ایسا گہرا رشتہ جڑتا کہ جو تادم مرگ قائم رہتا۔

اس وقت کے اساتذہ بھی بہت مشفق اور مہربان ہوا کرتے تھے۔وہ حقیقی اولاد سے بڑھ کر بچوں کا خیال رکھتے۔تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کی اخلاقی تربیت پر بھی بھرپور توجہ کرتے۔ ہمارے سکول کے استاد ابراہیم بھی ایک ایسے ہی انسان اور معلم تھے کہ جن پر شعبہ تدریس کو بھی ناز تھا۔ وہ دھن کے پکے، قول کے سچے، سیرت کے اجلے، کردار کے اعلیٰ اور گفتار کے کھرے انسان تھے۔ وہ ایک مثالی استاد تھے۔ میری ابتدائی تعلیم اور شخصیت کی تعمیر میں استاد ابراہیم کا بنیادی کردار ہے۔

مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں اپنے سکول کا نہایت ہی ہوشیار اور ذہین بچہ تھا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ سکول کا کوئی بچہ مجھ سے پہلے سبق یاد کرلے۔ پرائمری کے چھ سالہ دور میں میں نے کبھی بھی کسی شرارت اور سبق یاد نہ کرنے کی وجہ سے اپنے استاد سے مار نہیں کھائی۔ میں اپنے گھر کا اکلوتا اور لاڈلا بچہ تھا۔ میرے ماں باپ حد سے زیادہ مجھ سے پیار کرتے تھے اس کے باوجود مجھے نہیں یاد کہ میں نے کبھی اپنے والدین سے مار کھائی ہو۔شرارتیں میں بھی کرتا تھا مگر یہ شرارتیں سنگین نہیں بلکہ معصومانہ قسم کی ہوا کرتی تھیں۔ ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلتا بھی تھا لیکن بچوں کے ساتھ کبھی ایسا جھگڑا نہیں ہوا کہ شکایت والدتک پہنچے۔ بڑی بہن سے مجھے کبھی مار پڑجاتی تھی، اس مار کا غصہ میں نے کبھی اپنی چھوٹی بہنوں پر نہیں نکالا۔ میں اپنے گھر والوں کے لاڈ پیار سے بگڑا نہیں اس لیے میں یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ بچے لاڈ پیار سے بگڑ جاتے ہیں۔ بچوں کو بگاڑنے والے عوامل اور محرکات کچھ اور ہوتے ہیں جن پر کڑی نگاہ رکھنا والدین کا فرض ہے۔ ایسے تمام بچے جنھیں اپنے والدین کا بے پناہ پیار نصیب ہے ان کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے والدین کا ازحد احترام کریں اور ہرکام اپنے والدین کی مرضی اور مشورے سے کریں۔ بچے اپنے والدین کا جتنا احترام کریں گے ان کی اولاد بھی ان کا اتنا ہی زیادہ احترام کرے گی۔ والدین کا احترام اسلام کا حکم بھی ہے اور احترام کا تقاضا بھی ہے۔ آج الحمدللہ میرے گھر میں خوشیوں



کی بہار ہے۔ میرے بیٹے بیٹیاں حد سے زیادہ میرا احترام کرتے ہیں۔ مجھے اپنے بیٹوں، بیٹیوں، بہوؤں، پوتوں اور پوتیوں کی بھرپور محبت حاصل ہے، اس کی وجہ صرف میرے والدین کی دعائیں ہیں۔ جس طرح میں اپنے والدین کا تابع فرمان تھا ایسے ہی آج میری اولاد میری تابع فرمان ہے۔ میرے دو بیٹے ہیں عمر اور عبداللہ۔ اس طرح بیٹیاں بھی دو تھیں ان میں سے ایک فوت ہوچکی ہے، اس کی ایک بچی تھی جواب ہماری ہی بچی ہے۔ گویا ہمارے پاس پھر سے دو بیٹیاں ہیں۔

ضیائے حدیث جرنل صاحب! یہ فرمائیں کہ پرائمری کے بعد مزید تعلیم آپ نے کہاں سے حاصل کی؟

جرنل صاحب پرائمری کے بعد میں نے سرگودھا ہائی سکول سے نمایاں پوزیشن میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں پری میڈیکل میں داخلہ لے لیا اور وہاں سے فراغت کے بعد فوج میں بھرتی ہوگیا۔ ڈھائی سال پی ایم اے (پاکستان ملٹری اکیڈمی) کاکول ایبٹ آباد میں گزارے۔ اس کے بعد کمیشن ملی تو کیولری رجمنٹ میں چلا گیا۔ اس کے بعد اندرون و بیرون ملک انٹیلی جنس سمیت بے شمار کورس کیے۔ اللہ کے فضل سے ہر جگہ میرا کردار بڑا صاف اور شفاف رہا۔ ہر امتحان اور ہر کورس کو میں نے نمایاں پوزیشن سے پاس کیا۔ کچی زمین پر بیٹھ کر میں نے جو محنت کی اور تعلیم حاصل کی تھی اس محنت اور تعلیم نے مجھے پاک فوج میں جرنیل کے عہدے، اس کے بعد اسلامی دنیا کے مایہ ناز اور فعال ادارہ آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل کے عہدے تک پہنچایا۔ فوج میں جرنل اور آئی ایس آئی کے سربراہ مجھ سے پہلے بھی بہت سے بنے اور آئندہ بھی بنیں گے لیکن پاکستانی قوم کی طرف سے مجھے جو مقام، احترام اور پیار ملا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرے اساتذہ اور میرے والدین کی دعاؤں اور اطاعت کا نتیجہ ہے۔

ضیائے حدیث جرنل صاحب! 1965ء کے معرکہ میں پاک فوج کے جوانوں کے جنگی جوش وجذبہ کی کیا کیفیت تھی؟

جرنل صاحب اس جنگ میں پاک فوج کے جوانوں کا جو جوش و جذبہ تھا اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگر مختصر الفاظ میں اس جنگ میں جوانوں کے جوش و جذبہ کا نقشہ کھینچا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ پاک فوج کے افسروں اور جوانوں نے بدر واحد کے معرکہ کی یادوں کو تازہ کردیا تھا۔ دشمن تعداد میں زیادہ تھا اسلحہ بھی زیادہ تھا اور حملہ بھی اچانک رات کی تاریکی میں ہوا۔ ایسے حالات میں اگر کسی دوسرے ملک کی فوج ہوتی تو دشمن کے پہلے ہی ھلّے میں بھاگ کھڑی ہوتی۔ بھارت نے حملہ بھی فتح کو یقینی سمجھتے ہوئے کیا تھا۔ 6 ستمبر کی رات جب بھارتی فوج نے لاہور سیکٹر پر حملہ کیا تو وہاں سوائے رینجرز کے کوئی باقاعدہ فوجی دستہ اپنے دفاعی مورچوں پر موجود نہ تھا۔ بھارتی فوج نے ابتدائی لمحوں میں رینجرز کے دستوں پر قابو پاکر واہگہ پوسٹ پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس کے بعد جب پاک فوج کے دستے حرکت میں آئے تو جارح فوج کو دانتوں پسینہ آگیا۔ یہ اس لیے کہ جنگ میں دو تین بنیادی فیکٹر ہوتے ہیں۔ ایک فیکٹر ہے جوش و جذبہ اور دوسرا فیکٹر ہے مہارت۔ 1965ء کی جنگ میں پاک فوج کے جوانوں میں یہ دونوں صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ جوش و جذبہ بھی تھا اور مہارت بھی تھی۔ تربیت و مہارت اتنی اعلیٰ اور جوش و جذبہ اتنا زیادہ تھا کہ جنگ بچوں کا کھیل دکھائی دیتی تھی۔

ضیائے حدیث کیا 1965ء کی جنگ واقعی کشمیر کی آزادی کی خاطر لڑی گئی تھی۔ کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ اس وقت کے بعض سیاستدان، جن میں ذوالفقار علی بھٹو بھی شامل تھے، پاک فوج کو پھنسانا اور جرنیلوں کو بدنام کرنا چاہتے تھے۔ آپ کی اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟

جرنل صاحب اس جنگ کا بنیادی مقصد واقعی کشمیر کی آزادی تھی۔ تاہم یہ بات ضرور ہے کہ آپریشن جبرالٹر جو اس جنگ کا پیش خیمہ بنا اس کی منصوبہ بندی انتہائی ناقص تھی۔

ضروری تھا کہ پہلے کشمیریوں کو ذہنی اور فزیکلی تیار و ہموار کیا جاتا۔ وہاں ایسی فضا تیار کی جاتی اور اہل کشمیر کو اعتماد میں لیا جاتا۔ اس لیے کہ اس طرح کے آپریشن کبھی بھی مقامی آبادی کو اعتماد میں لیے بغیر کامیاب نہیں ہوئے۔ حکومت پاکستان نے 1964ء کے وسط میں ایک کشمیر سیل قائم کیا جسے انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا۔ اس سیل کے سربراہ ذوالفقار علی بھٹو تھے جو اس وقت ایوب حکومت کے وزیر خارجہ



تھے۔عزیز احمد سیکرٹری خارجہ (جو قادیانی تھے) اس سیل کے رکن تھے۔ ان کے علاوہ سیکرٹری دفاع، ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو اور ڈائریکٹر جنرل انٹر سروسز انٹیلی جنس ڈائریکٹوریٹ وغیرہ بھی اس کے رکن تھے۔ دوسری طرف جنرل اختر ملک جو کہ اس وقت آزاد کشمیر میں پاکستانی فوج کے کمانڈر تھے۔ بھٹو نے جنرل اختر ملک سے دوستانہ رشتہ استوار کرلیا جو دونوں کے بعض مشترکہ ''ذوق'' کی وجہ سے پختہ دوستی میں تبدیل ہوگیا۔ اس وقت کے فوج کے سربراہ جنرل موسیٰ خان کو جب علم ہوا کہ بھٹو کشمیر سیل کی آڑ میں جنرل اختر ملک اور دیگر ہم پیالہ فوجی افسران کو اپنے گھر دعوتوں پر بلاتے ہیں تو انھوں نے وزیر خارجہ کی ان دعوتوں پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ بہرحال بھٹو نے جنرل موسیٰ سے بالا بالا کشمیر سیل کے ذریعے اور جنرل اختر ملک کی حمایت سے ایوب خان کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ کشمیر کی آزادی کے لیے کچھ کرگزرنے کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ جنرل اختر ملک نے کشمیر میں گوریلا کارروائیاں کرنے کے لیے سپیشل سروسز گروپ کے کمانڈر کرنل غفار مہدی کے سامنے یہ منصوبہ رکھا۔ اس لیے کہ گوریلا کارروائی کے لیے افسر اور جوان سپیشل سروسز گروپ (SSG) نے ہی مہیا کرنے تھے۔ کرنل غفار مہدی نے بھی اس منصوبے کی مخالفت کی مگر بھٹو اور جنرل اختر ملک نے ایوب خان کو گوریلا کارروائی کے منصوبے پر عملدرآمد کے لیے راضی کرلیا۔ اس آپریشن کا کوڈ نام آپریشن جبرالٹر رکھا گیا۔ اس منصوبے کے مطابق سات ہزار کے لگ بھگ فوجیوں اور رضا کاروں کے دستے تیار کیے گئے جن کے نام طارق، قاسم، خالد، صلاح الدین اور غزنوی تجویز ہوئے۔ اس کے بعد یہ دستے مقبوضہ وادی میں لانچ کردیے گئے۔ مگر بھارتی حکومت کو چونکہ پہلے سے اس منصوبے کا علم ہوچکا تھا لہٰذا نہ تو بھارتی فوج کے پاؤں اکھڑے اور نہ ہی اہل کشمیر نے علم بغاوت بلند کیا۔ ہماری اس وقت کی قیادت کی بنیادی غلطی یہ تھی کہ مقبوضہ جموں کشمیر میں پاکستان کے حامی عناصر کو اعتماد میں لیے بغیر یہ ساری کارروائی کی گئی تھی۔

ضیائے حدیث جنرل صاحب! آپ نے آپریشن جبرالٹر کے حقائق کی جو نقاب کشائی کی ہے کیا اس سے بھارت کے اس دعوے کی تائید نہیں ہوتی کہ پاکستان مقبوضہ کشمیر میں دراندازی کا مرتکب ہے؟

جنرل صاحب دیکھیں بات یہ ہے کہ مقبوضہ جموں کشمیر میں دراندازی کا مرتکب پاکستان نہیں بھارت ہے۔ آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس اہل کشمیر کی نمائندہ جماعت تھی جس نے جولائی 1947ء کثرت رائے سے الحاق پاکستان کی قرارداد منظور کی تھی۔ مزید یہ کہ برطانوی حکومت نے تقسیم ہند کا جو فارمولہ وضع کیا تھا اس کی رو سے ریاست جموں کشمیر کا الحاق پاکستان سے ہی ممکن تھا۔ ریاست میں مسلمانوں کی آبادی 80 فیصد تھی۔ ریاست کے جغرافیائی، لسانی اور ثقافتی رشتے بھی پاکستان سے ہی ملتے تھے۔ اس لیے اصولی، اخلاقی، جمہوری اور آئینی اعتبار سے ریاست کا الحاق پاکستان سے ہی ممکن تھا اور اہل کشمیر نے عملی طور پر پاکستان سے الحاق کا اعلان کر بھی دیا تھا۔ یہ تو انگریز اور برہمن کی ملی بھگت اور پاکستان دشمنی تھی کہ مہاراجہ ہری سنگھ جو خود بھگوڑا تھا اور ریاست پر حق حکمرانی کھو چکا تھا اس کے ہاتھوں ریاست کے بھارت کے ساتھ نام نہاد الحاق کا اعلان کرکے 27 اکتوبر 1947ء کی شب نہرو نے اپنی فوجیں ریاست میں داخل کرکے اس کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ درانداز پاکستان نہیں بلکہ بھارت ہے۔ پاکستان تو صرف کشمیریوں کا وکیل ہے۔ ریاست کی آزادی کے لیے اہل کشمیر جو جدوجہد کررہے ہیں اس جدوجہد کو سپورٹ کرنا پاکستان کا اخلاقی اور جمہوری حق ہے۔ یہ وہ حق ہے جو پوری دنیا نے UNO کے ذریعے پاکستان کو دے رکھا ہے۔

ضیائے حدیث کچھ لوگ کہتے ہیں کہ 1965ء کی جنگ کی وجہ سے پاکستان کو نقصان پہنچا ہے؟

جنرل صاحب دنیا میں آج تک کوئی ایسی جنگ نہیں لڑی گئی جس میں قوموں نے صرف فوائد سمیٹے ہوں۔ ہر جنگ کے دونوں پہلو ہوتے ہیں۔ فوائد بھی اور نقصانات بھی۔ یہی صورت حال 1965ء کی جنگ کی ہے۔ اس جنگ میں ہم نے جو فوائد سمیٹے وہ اپنے جوانوں کی جرأت و بہادری، اتحاد و اتفاق اور مہارت و جذبہ کی بدولت اور اگر ہمیں کچھ نقصانات اٹھانے پڑے تو اس وجہ سے نہیں کہ ہمارا دشمن تعداد



میں ہم سے زیادہ یا طاقت میں ہم سے بڑا تھا یا اس کے پاس اسلحہ ہم سے زیادہ تھا۔ نقصانات ہمیں اس لیے اٹھانے پڑے کہ جنگ میں ہماری حکمت عملی ناقص تھی۔ ہماری ناقص حکمت عملی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب آپریشن جبرالٹر شروع ہوا تو اس وقت اس بات کا قوی امکان تھا کہ دشمن بین الاقوامی سرحد کو عبور کرکے پاکستان کے خلاف بڑی جوابی کارروائی کرے گا اور اس طرح وسیع پیمانے پر جنگ چھڑے گی۔ اور دوسری طرف ہماری ہائی کمان دفتر خارجہ کی اس یقین دہانی پر اندھا اعتماد کیے بیٹھی رہی کہ بھارتی فوج بین الاقوامی سرحد کی خلاف ورزی کرکے پاکستان پر حملہ نہیں کرسکتی۔ یہی وجہ تھی کہ وزارت خارجہ کی اس یقین دہانی کی بنا پر ہماری فوج سرحدوں پر دفاعی اقدمات سے گریز کرتی رہی کہ مبادا بھارت کو پاکستان پر حملے کا جواز نہ مل جائے۔ حد یہ ہے کہ وزارت خارجہ کی اس یقین دہانی کی بناپر پاکستان نے سرحدی علاقوں میں بارودی سرنگیں بچھائیں اور نہ دفاعی مورچے سنبھالے۔

ان حالات میں یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ اگر اس وقت پاک فوج کی جگہ کسی دوسرے ملک کی فوج ہوتی تو بھارتی فوج نے دو گھنٹے میں لاہور فتح کرلینا تھا۔ واضح رہے کہ بھارتی فوج نے 6 ستمبر کو سحر 4 بجے واہگہ بارڈر پر حملہ کیا تھا اور بھارتی جرنیلوں کا صبح کا ناشتہ لاہور جم خانہ کلب میں کرنے کا ارادہ تھا۔ بھارتی فوج کا 15 ڈویژن واہگہ کی طرف سے کئی میل تک پاکستانی علاقے کو روندتا ہوا باٹا پور پل تک پہنچ گیا اور بھارت کے 7 انفنٹری ڈویژن نے ہریکے برکی روڈ کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ ہریکے روڈ پر بھارتی فوج کے ہراول دستوں کو میجر شفقت بلوچ نے (جن کا کچھ عرصہ پہلے انتقال ہوا ہے) اپنے جوانوں سمیت 8 گھنٹے روکے رکھا۔ برکی روڈ پر میجر عزیز بھٹی نے اپنی کمپنی سمیت مسلسل چار دن تک بھارتی جارح دستوں کو روکے رکھا۔ حالت یہ تھی کہ 17 دن تک پاک فوج کے جوان ایک ہی وردی میں بغیر آرام کیے دشمن کے خلاف ڈٹے رہے۔ جنگ کی اصطلاح میں جو ملک حملے میں پہل کرنے والا ہو اس ملک کے فوائد سمیٹنے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔ جنگ میں پہل بھارت نے کی تھی اس کے باوجود وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے یعنی پاکستان کو فتح کرنے میں ناکام رہا۔ الٹا 210 مربع میل علاقہ بھی بھارت کے قبضے سے نکل گیا۔

ضیائے حدیث جنرل صاحب! 1965ء کی جنگ میں پاکستان نے جو فوائد سمیٹے اور پاک فوج نے جس شاندار کارکردگی اور جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا اس پر آپ نے بہت خوبصورت الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ 65ء کی جنگ میں پاک فوج کی کارکردگی تاریخ کا حصہ بن چکی ہے اور تاریخ کے اس چیپٹر پر پاکستانی قوم کو بجاطور پر فخر ہے۔ یہ فرمائیں کہ صرف پانچ سال بعد ہماری فوج کو مشرقی پاکستان میں بھارت کے ہاتھوں عبرت ناک شکست کا سامنا کیوں کرنا پڑا؟

جنرل صاحب 1971ء کی شکست کو میں فوجی شکست نہیں سمجھتا اور نہ اس سانحہ کا کریڈٹ اندرا گاندھی کو دیا جاسکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ شکست ہماری اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ تھا۔ ہم اندر سے ٹوٹ گئے تھے۔ بنگالی مسلمانوں کے ساتھ ایک عرصہ سے زیادتیاں ہورہی تھیں۔ سیاست اور طاقت کا مرکز مغربی پاکستان ٹھہرا۔ سارے فیصلے یہاں ہونے لگے جس سے بنگالی مسلمانوں میں احساس محرومی نے جنم لیا۔ بھارت نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور وہاں پیدا ہونے والے احساس محرومی کو مزید ہوا دی۔ 1965ء کی جنگ مشرقی اور مغربی پاکستان پر مشتمل فوج نے مشترکہ طور پر لڑی لیکن جب یہ جنگ ختم ہوئی تو مشرقی پاکستان میں تنہائی کے احساس نے جنم لیا۔ وہاں کل فوج ایک بریگیڈ یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔ وہاں یہ احساس پیدا ہوا کہ اگر بھارت ادھر حملہ کردیتا تو اس کا دفاع کیسے کیا جاتا۔ ساری فوج، سارا اسلحہ، اسلحہ سازی کی فیکٹریاں اور GHQ مغربی پاکستان میں تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم دفاع کے لیے بھی مغربی پاکستان کے محتاج ہیں۔ دفاعی نکتہ نظر سے بنگالیوں کا یہ احساس اور اعتراض درست تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ بنگالیوں کے اس احساس محرومی کا ازالہ کیا جاتا۔ بدقسمتی سے ہماری قیادت اس احساس کا ازالہ کرنے میں ناکام رہی، بھارت نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا۔ یہ اور اس قسم کی دیگر وجوہات آگے چل کر 1971ء کے سانحہ کا سبب بنیں۔



بھارت ہمارا دشمن تھا اس نے یقیناً فائدہ اٹھانا تھا لیکن اس کی بنیاد ہم خود تھے۔

ضیائے حدیث پاکستان میں جاری دہشت گردی کو دیکھتے ہوئے کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ دشمن بغیر جنگ کے پاکستان کو فتح کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے؟

جنرل صاحب اس میں کوئی شک نہیں کہ دشمن پاکستان کو بغیر جنگ کے فتح کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم کسی کے خواب دیکھنے پر پابندی تو نہیں لگا سکتے۔ ہر دشمن کو خواب دیکھنے کا حق حاصل ہے لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ دشمن کا دیکھا ہوا ہر خواب شرمندہ تعبیر ہوجائے۔ ہمارے دشمن 67 سال سے کئی خواب دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ ہمارے دشمنوں کا پہلا خواب یہ تھا کہ پاکستان قائم ہی نہ ہوسکے۔ اس کے باوجود پاکستان قائم ہوا۔ دوسرا خواب تھا کہ پاکستان چند سالوں کی مار ہے پھر یہ اپنا وجود کھو بیٹھے گا۔ دشمنوں کا یہ خواب بھی شرمندہ تعبیر نہ ہوا۔ دشمنوں کی ایک حسرت یہ بھی تھی کہ پاکستان ایٹمی طاقت نہ بن سکے۔ دشمنوں کی یہ حسرت ان کے سینے کا ناسور بن گئی۔ جب سے امریکہ افغانستان میں آیا ہے امریکی تھنک ٹینک تقریباً ہر ایک سال بعد پاکستان کے خاتمے اور ٹوٹنے کی پیش گوئی کرتے رہتے ہیں مگر عملی صورت حال یہ ہے کہ امریکہ خود افغانستان سے پسپا ہورہا ہے۔

ضیائے حدیث جنرل صاحب! 1965ء کی جنگ کا کیا پیغام ہے؟

جنرل صاحب اس جنگ کا یہ پیغام ہے کہ ہم اپنے اندر اتحاد و اتفاق پیدا کریں۔ خود کو اندر سے مضبوط کریں۔ فرقہ واریت اور لسانیت ایک لعنت ہے، اس لعنت سے بہرصورت چھٹکارا حاصل کریں۔ ہم میں سے ہر شخص جہاں بھی ہے جس جگہ بھی ہے، چاہے وہ سرکاری جاب کررہا ہے یا پرائیویٹ اپنی ڈیوٹی کو پوری ذمہ داری اور دلجمعی سے ادا کرے۔ جب ہم اپنا کام پوری دلجمعی، دیانت داری اور یکسوئی سے کریں گے تو اس سے ہمارا ملک مضبوط، مستحکم اور خوشحال ہوگا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ زمانہ جنگ کی کئی قسمیں ہیں جن میں ایک قسم معیشت کی جنگ ہے۔ دشمن ہماری معیشت کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اگر ہماری معیشت تباہ ہوگئی تو اس کے نتائج بہت خوفناک نکلیں گے۔ روس کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ روس کے پاس سیکڑوں ایٹمی ہتھیار تھے لیکن جب اس کی معیشت کا بیڑا غرق ہوگیا تو ایٹمی ہتھیار اسے شکست و ریخت سے نہ بچاسکے تھے۔ آج دشمن ہمارے ساتھ یہی کھیل کھیل رہا ہے۔ لہٰذا ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ دشمن کے اس وار کو روکے اور ناکام بنائے۔ اس وار کو روکنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اس وطن سے محبت کریں، اسے اپنا گھر سمجھیں، اس کے استحکام کے لیے کام کریں۔

ضیائے حدیث LOC پر بھارتی فوج نے ایک دفعہ پھر عسکری کارروائیاں شروع کردی ہیں۔ ان کارروائیوں کا کیا مقصد ہے؟ اور کیا بھارت پاکستان پر ایک اور جنگ مسلط کرنا چاہتا ہے؟

جنرل صاحب اصل بات یہ ہے کہ بھارت ایک عرصے سے چودھری بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ افغانستان میں امریکی فوج کی آمد کے بعد بھارت کو یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوتا نظر آرہا تھا لیکن مجاہدین کے ہاتھوں امریکی فوج کی درگت اور اب افغانستان سے امریکی فوج کے انخلا نے بھارتی حکمرانوں کو حواس باختہ کردیا ہے۔ بھارتی حکمرانوں کو یہ خدشہ پریشان کیے ہوئے ہے کہ افغانستان سے امریکی انخلا کے بعد ہمارا کیا بنے گا؟ اس لیے کہ بھارت کو فتح کرنے والے قافلے ہمیشہ افغانستان سے نکلتے اور چلتے رہے ہیں۔ ہندوستان سے نکلنے والے کسی فوجی قافلے نے کبھی افغانستان کو فتح نہیں کیا اور نہ کبھی وہاں اپنے پاؤں جمائے ہیں۔ اگر بھارتی حکمران یہ سمجھتے ہیں کہ امریکی فوج کے انخلا کے بعد وہ افغانستان میں اپنے پاؤں جمالیں گے تو یہ ان کی خام خیالی اور تاریخ کے پہیے کو الٹا گھمانے والی بات ہے۔ تاریخ کا پہیہ کبھی الٹا نہیں گھومتا بلکہ یہ اپنی سیدھ میں چلتا ہے۔ سو بھارتی حکمرانوں کو افغانستان سے امریکی فوج کے انخلا کے بعد اپنا انجام صاف نظر آرہا ہے۔ بھارت LOC پر کارروائیاں کرکے پاکستان کو دباؤ میں لاکر افغانستان میں اپنے کردار کا تعین چاہتا ہے۔ میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ موجودہ حالات میں بھارت پاکستان پر کسی بھی بڑے حملے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اس لیے ہمارے حکمرانوں کو ان کارروائیوں سے ہرگز پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

❁❁❁❁



اللہ سے زیادہ مہربان نہ بنیں!

ایڈیٹر

حدود اللہ کے نفاذ میں تعطل عذابِ الٰہی کو دعوت

جمادی الاولیٰ 8 ہجری میں جنگ موتہ کے دوران سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما شہید ہوئے۔ ان کے لخت جگر سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے رسول اکرم ﷺ کی محبت پہلے بھی کچھ کم نہ تھی مگر زید رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادے سے محبت میں اضافہ ایک فطری امر تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی بہت حوصلہ افزائی فرماتے تھے حتی کہ جنگ موتہ کے چند ماہ بعد 20 رمضان 8 ہجری کو مکہ فتح ہوا تو اس وقت آپ ﷺ کے پیچھے سواری پر سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ہی سوار تھے۔ فتح مکہ ہی کے ایام کی بات ہے کہ فاطمہ بنت اسد مخزومیہ نے چوری کر لی۔ ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری ہوا تو بنومخزوم کے لوگوں نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کی محبت دیکھ کر انھیں بارگاہ نبوی میں سفارشی بننے پر آمادہ کرلیا۔ حدیث میں باقاعدہ الفاظ ہیں کہ لوگوں نے ان کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ اس کی جرأت اور کوئی نہیں کر سکے گا۔ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بھی اللہ کی حدود کے عدم نفاذ کے بارے میں سفارش کر ہی دی۔ نبی ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ تبدیل ہوگیا اور آپ نے ان سے فرمایا: «اَتَشْفَعُ حَدًّا مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ» ''کیا تم اللہ کی حدود کے بارے میں مجھ سے سفارش کررہے ہو؟'' اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «اَتُكَلِّمُنِي فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِاللّٰهِ» ''کیا تم اللہ کی حدود کے بارے میں مجھ سے بات کررہے ہو؟'' سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے یہ صورتِ حال دیکھ کر عرض کی: اللہ کے رسول! میرے لیے اللہ سے بخشش طلب کیجیے۔ اس کے بعد پچھلے پہر رسول اللہ ﷺ نے اپنا وہی معروف خطبہ ارشاد فرمایا: ''لوگو! تم سے پہلے گزرنے والے لوگوں کی گمراہی کا سبب یہ تھا



کہ جب ان میں سے کوئی مالدار اور وضع دار شخص چوری کرتا تو اس پر حد نہ لگاتے اور اگر کوئی کمزور اور نادار شخص چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرتی تو محمد (ﷺ) اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔'' (صحيح البخاري: 6788، وصحيح مسلم: 1688)

اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی ایک فرد سے بھی حدوداللہ کو ساقط کرنے کا اختیار پیارے پیغمبر ﷺ کو بھی نہیں تھا۔ آپ ﷺ اس وقت پوری ریاست کے حکمران بھی تھے، چیف جسٹس بھی تھے اور سب سے بڑھ کر یہ تھا کہ آپ اللہ کے رسول تھے۔ مگر حدوداللہ کی تنفیذ کے معاملے میں سفارش پر اپنے انتہائی محبوب صحابی کی سرزنش کی اور امت کو سبق دیا کہ حدوداللہ میں ترمیم کے بارے میں بات چیت کرنا اور اس مقصد کے لیے اسے زیر بحث لانا اسے میڈیا کا موضوع بنانا۔ یہ سب جرائم ہیں۔ اسی لیے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے فوراً بخشش کی دعا کی درخواست پیش کر دی۔ بالآخر اس عورت پر حد لگی اور اس عورت کا ہاتھ کاٹا گیا۔ (صحيح مسلم: 1688) اب کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں جو حدود اللہ کے سقوط کے بارے میں کوئی قانون بنانے یا اس میں ترمیم کرنے کا ارادہ رکھتا ہو!

حدوداللہ کے بارے میں نبی ﷺ کی تعلیمات بڑی واضح ہیں۔ ایک دفعہ سیدنا انس بن مالک بن نضر رضی اللہ عنہ کی پھوپھو رُبیّع بنت نضر رضی اللہ عنہا نے کسی انصاری بچی کا دانت توڑ دیا۔ بچی والوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قصاص طلب کیا۔ نبی ﷺ نے قصاص (بدلے) میں دانت توڑنے کا حکم صادر فرمایا۔ سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ (ربیع بنت نضر کے بھائی) نے قسم اٹھا کر یہ بات کہہ دی کہ ربیع کا دانت نہیں ٹوٹے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «كِتَابُ اللّٰهِ القِصَاصُ» ''اللہ کی کتاب میں تو قصاص ہی کا حکم ہے یا اللہ کا فیصلہ قصاص ہی کا ہے۔'' اسی دوران بچی کے لواحقین دانت کی دیت لے کر راضی ہو گئے اور ربیع کا دانت ٹوٹنے سے بچ گیا۔ (صحيح البخاري: 4335) بچی کے لواحقین کی رضامندی ہی کی صورت میں ربیع کا دانت ٹوٹنے سے بچا کیونکہ دیت پر رضامندی کی صورت میں قصاص نہیں ہوتا۔ اس موقع پر نبی ﷺ نے کیسی واضح ہدایات جاری فرمائیں کہ فیصلہ اللہ کے حکم کے مطابق ہوگا۔

اب بھی پاکستان میں جتنے جرائم پیشہ افراد قتل کی شرعی سزا کے مستحق ہیں، ان کے مدمقابل اگر دیت وغیرہ لے کر راضی ہو جائیں تو یہ فیصلہ بھی قرآن کے مطابق گردانا جائے گا اور ایسے قیدیوں کو دیت دے کر آزادی مل جائے گی۔ یاد رہے یہ ان مجرموں کے بارے میں ہے جو واقعتاً مجرم ہیں۔ جو مجرم نہیں ویسے ہی عدالت کے قابو آئے ہیں ان کا معاملہ اور نوعیت کا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُونَ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ» ''جس کی سفارش اللہ کی حدود میں سے کسی حد کی (تنفیذ کی) بابت آڑے آ گئی تو وہ شخص اللہ کے مدمقابل آ گیا۔'' (سنن أبي داود: 3597) ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے اللہ کی ناراضی میں آ گیا۔ یہ وعید اس شخص کے لیے جس کی سفارش پر حدوداللہ کی تنفیذ رک جائے، اس پر عملدرآمد نہ ہو سکے۔ اللہ کی حدود کے بارے میں کسی کی سفارش کے آڑے آ جانے کا اس قدر سنگین جرم ہے تو ان میں ترمیم و تعطیل کا جرم کس قدر سنگین ہوگا۔ ایک مسلمان شخص اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔

اس کے مقابلے میں جن علاقوں میں حدوداللہ کا نفاذ ہوتا ہے، وہاں کے باسیوں کے لیے یہ بہت سے فوائد و ثمرات کا موجب ہے۔ ارشاد نبوی ہے: «إِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ مَطَرِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فِي بِلَادِ اللّٰهِ» ''اللہ کی زمین پر حدود اللہ میں سے کسی ایک حد کا نفاذ چالیس راتوں کی مسلسل بارش سے زیادہ بہتر ہے۔'' (سنن ابن ماجه: 2528، حسن) اس حدیث میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جیسے بارش زمین پر بہت سی برکات کا باعث ہے اسی طرح حدوداللہ کا نفاذ بھی بہت سی برکات کا موجب ہے اور 40 راتوں کے الفاظ مبالغے کے لیے ہیں یعنی بہت زیادہ بارش۔

اب ملک میں زیر بحث ایک اہم مسئلے کا



مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں اور وہ ہے قتل کی سزا کے مستحق قیدیوں کو کیفرِ کردار تک نہ پہنچانا۔ شریعت نے جس جرم کی سزا قتل رکھی ہے اس کی سزا قتل ہی ہونی چاہیے۔ کسی بھی فرد، جماعت، پارلیمنٹ، حکمران، چیف جسٹس، عالم دین یا فقیہ کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ ایسے شخص کی قتل کی سزا میں ترمیم کرسکے الا یہ کہ ورثاء دیت پر راضی ہوجائیں۔

اگرچہ سابقہ حکومت کے دور ہی سے یہ سزائیں تعطل کا شکار ہیں مگر یورپی وفد کے ''لالی پوپ'' کے عوض حدوداللہ میں ترمیم کسی صورت بھی زیب نہیں دیتی۔ ہم موجودہ حکومت سے پرزور اپیل کرتے ہیں اور سراپا احتجاج ہیں کہ وہ کسی صورت حدوداللہ میں کسی ترمیم یا معطل قرار دینے کا کوئی فیصلہ صادر نہ کرے۔ یہ تو عذاب الٰہی کو دعوت دینے والی اور ملک کے سفینے کو ڈبونے والی بات ہے۔

آیئے اس حوالے سے ایک حدیث شریف کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے:

«مَثَلُ القَائِمِ عَلى حُدُودِاللّٰهِ والوَاقِعِ فِيها كمَثَلِ قَوْمٍ اسْتهَمُوا عَلى سَفِينَةٍ، فأصَابَ بَعْضُهُمْ أعْلاهَا وبَعْضُهُمْ أسْفَلَها، فَكانَ الَّذِينَ في أسْفَلِها إذَا اسْتَقَوْا مِنَ المَاءِ مَرُّوا عَلى مَنْ فَوْقَهُمْ فَقَالُوا: لَوْ أنَّا خَرَقْنا في نَصِيبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنا، فإنْ يَتْرُكُوهُمْ ومَا أرَادُوا هَلَكُوا جَمِيعًا، وإنْ أخَذُوا عَلىٰ أيْدِيهِمْ نَجَوْا ونَجَوْا جَمِيعًا»

''اللہ کی حدود کو قائم کرنے والے کی اور ان حدود کو پامال کرنے والے کی مثال ایسے ہے جیسے کچھ لوگ سفینے میں سفر کرنا چاہیں اور قرعہ اندازی کے ذریعے کچھ لوگ اوپر والی منزل میں سوار ہوجائیں اور کچھ لوگ نچلی منزل میں چلے جائیں۔ نچلی منزل والوں کو پانی کی ضرورت پیش آئے تو اوپر والی منزل سے (کشتی کے باہر سے لیا ہوا) پانی لینے لگیں۔ پھر یہ فیصلہ کریں کہ ہم اپنے حصے کا تختہ توڑ کر نیچے سے پانی لے لیتے ہیں تاکہ اوپر والوں کو بار بار ہمارے آنے جانے سے تکلیف نہ ہو۔ اگر اوپر والی منزل کے لوگ نچلی منزل کے لوگوں کو یہ کام کرنے دیں گے تو سب ہلاکت سے دوچار ہوں گے اور اگر وہ ان کے ہاتھ پکڑ لیں تو وہ خود بھی بچ جائیں گے اور باقی سارے لوگ بھی۔ (صحيح البخاري: 2493)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حدوداللہ کے عدم نفاذ میں بظاہر فائدہ بھی نظر آرہا ہو جیسا کہ نچلی منزل والوں کو فائدہ نظر آرہا تھا، اور باہمی مشاورت ہی سے یہ طے پایا تھا پھر بھی ان کا نفاذ ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر پوری قوم ہلاک ہوسکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُودَاللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾ ''اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔'' (الطلاق 1:65)

اسی طرح ارشاد باری ہے: ﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا﴾ ''اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور حدود سے تجاوز کیا اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔'' (النساء 14:4)

ملک وسلطنت تو بہت بڑی ذمہ داری ہے گھر کی سطح پر میاں بیوی بھی آپس میں حدوداللہ کی پاسداری نہ کرسکیں تو انھیں بھی علیحدہ ہونے کا حکم ہے۔ (البقرة 229:2)

اہل یورپ قتل کی سزا کے عدم نفاذ کے بعد اب اگلا بل یہ لائیں گے کہ توہین رسالت کی سزا قتل نہیں ہونی چاہیے۔ عین ممکن ہے قتل کی سزا میں ترمیم کا بنیادی مقصد بھی یہی ہو، لہٰذا پوری قوم کو اس اقدام یا ارادے کے خلاف متحد ہونا چاہیے اور یورپ کی اندھی تقلید اور غلامی سے نجات حاصل کرنی چاہیے۔ اللہ ہمیں کچھ نہ دینا چاہے تو یہ سب مل کر بھی ہمیں کچھ نہیں دے سکتے اور اللہ دینا چاہے تو یہ سب مل کر بھی روک نہیں سکتے۔ ہر نماز کے بعد ہم یہی تو اقرار کرتے ہیں کہ اَللّٰهُمَّ لَامَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ.

اس لیے اللہ کی حدود، جو اس نے بندوں کے فائدے کے لیے مقرر فرمائی ہیں، ان میں ترمیم کرکے یا انھیں معطل قرار دے کر خالق سے زیادہ اس کی مخلوق کے خیرخواہ نہ بنیں اور مخلوق کو اللہ کی مہربانی سے نکال کر اپنی مہربانی میں نہ لیں۔

❁❁❁❁

حافظ محمد حق نواز
ریسرچ فیلو دارالسلام

اسلام میں امن کی اہمیت و ضرورت

امن

امن کے لغوی معنی ہیں: ''قلبی سکون و اطمینان'' اور امن خوف کا متضاد ہے۔ أَمِنَ البِلَادُ کا محاورہ اس وقت مستعمل ہوتا ہے جب شہر کے باسی پرسکون اور اطمینان والی زندگی بسر کررہے ہوں۔ اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ مستقبل میں کسی قسم کے مکروہ اور ناپسندیدہ حالات کا سامنا نہ کرنے کی توقع رکھنا، یعنی وہ مستقبل کے حوالے سے پرسکون، مطمئن اور بے خوف ہو۔ لہٰذا أَمِنَ سے مراد یہ ہے کہ انسان انفرادی اور معاشرتی طور پر دنیا میں اپنی زندگی بغیر کسی خوف اور خطرے کے بسر کرسکے۔ اسے اپنی جان و مال، عزت و آبرو اور دین پر عمل پیرا ہونے میں کسی قسم کا خوف اور خدشہ لاحق نہ ہو۔ دوسرے افراد کے ظلم و زیادتی سے محفوظ رہے۔ اسی طرح اگر اسے اللہ کی خوشنودی بھی حاصل ہوجائے آخرت کی سزا اور عذاب سے بھی بچ جائے تو گویا اسے حقیقی امن حاصل ہوگیا۔

قیام امن میں اسلام کا کردار

امن کی افادیت کا جائزہ لینے کے لیے بعثت نبوی سے قبل اور بعد کے حالات جاننا ضروری ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ہر قبیلہ اپنی اپنی جگہ متحد نظر آتا تھا لیکن دوسرے قبائل کے خون کے پیاسے تھے، ظلم و زیادتی اور قتل و غارت کا دور دورہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر عداوت کی آگ اس قدر بھڑک اٹھتی تھی کہ نسل در نسل جنگ جاری رہتی تھی۔ بدامنی اور لوٹ مار اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی حتی کہ حرمت والے مہینوں کے سوا حجاز کی طرف بھی لوگ سفر نہیں کرسکتے تھے۔

آغاز اسلام کے وقت مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے پاس افرادی قوت تھی نہ حکومت۔ مسلمان ہر لحاظ سے کمزور تھے۔ مشرکین مکہ کے پاس پورے معاشرے کا کنٹرول تھا اسی وجہ سے انھوں نے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے حتی کہ مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کردیا گیا۔ کچھ لوگ حبشہ چلے گئے اور اکثر نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ نبی ﷺ نے مدینہ میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ اسلامی حکومت کے قیام کے بعد مسلمانوں کی نظر میں پہلا ہدف قیام امن تھا۔ اس کے لیے مختلف اقدامات کیے گئے۔ انصار اور مہاجرین میں بھائی چارہ قائم کیا گیا۔ اسلامی بھائی چارہ نسبی اور خونی رشتوں سے بھی بڑھ کر مضبوط ہوگیا۔ آپ ﷺ نے قیام امن کے لیے مدینہ اور آس پاس میں بسنے والے یہود و نصاریٰ اور دیگر غیر مسلم قبائل

کے ساتھ معاہدے بھی کیے۔ لیکن انھوں نے عہد کی پاسداری نہ کی جس بنا پر حق اور باطل میں بہت سے معرکے ہوئے۔ نصرت الٰہی ہمیشہ حق کے ساتھ رہی۔ اسی طرح حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ کے ساتھ بظاہر کڑی شرائط پر معاہدہ ہوا جس کی وجہ سے ہرطرف امن و امان قائم ہوگیا اور مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔ بغیر خوف کے دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری ہوگیا نتیجتاً جوق در جوق لوگ اسلام قبول کرنے لگے۔ صورت حال دیکھ کر مشرکین نے معاہدہ توڑدیا۔ بالآخر مکہ فتح ہوا۔ آپ ﷺ نے انتہائی فراخ دلی کا مظاہرہ کرکے عام معافی کا اعلان کردیا: «اِذْهَبُوْا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاء» مکہ کی حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے قتل کرنے اور قیدی بنانے سے منع کردیا۔ سب کے جان و مال اور دیگر معاشرتی حقوق محفوظ ہوگئے۔

سب کچھ کرنے کے باوجود شرپسند عناصر کا مکمل خاتمہ ابھی تک نہ ہوسکا تھا۔ اس وجہ سے اطراف واکناف سے لوٹ مار اور قتل و غارت کے واقعات کبھی کبھی رونما ہوجاتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد بھی مدینہ سے مکہ کا سفر پرخطر تھا۔ لیکن اسلامی حکومت کے بہترین اقدامات کی وجہ سے حالات روز بروز سازگار ہوتے جارہے تھے۔ ایک دن رسول اکرم ﷺ نے سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا: ''اے عدی! اگر تونے طویل عمر پائی تو تیری زندگی میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ ہرطرف امن ہی امن ہوگا۔ کسی کو بھی جان و مال کا خوف نہ ہوگا حتی کہ ایک عورت حیرہ سے بیت اللہ کی طرف طواف کی نیت سے اکیلی سفر کرے گی۔ اسے اللہ کے علاوہ کسی کا کوئی ڈر اور خوف نہ ہوگا۔'' (صحيح البخاري: 3595)

عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے نبی کی اس پیشین گوئی کو سچ ہوتے دیکھا ہے کہ کجاوے میں بیٹھی عورت صنعاء سے حیرہ تک اکیلے پرامن سفر کررہی ہے۔ (دلائل النبوة: 437/5)

اس کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی حکومت کے سایہ عاطفت میں لوگ پرامن زندگی بسر کرنے لگے۔ عدل وانصاف کے قیام کے ساتھ ساتھ حدوداللہ کے نفاذ نے اسلامی معاشرے سے جرائم کا خاتمہ کردیا۔ پرامن ملک ہونے کہ وجہ سے دنیا بھر سے سرمایہ دار لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ دنیا بھر کے ماہرین بغداد میں اکٹھے ہوگئے۔ ملک خوشحال ہوگیا۔ علوم و فنون اور بکثرت ذرائع معاش کی وجہ سے ملک خوشحال ہوگیا۔ اسلامی حکومت کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی جرأت بھی نہ کرسکتا تھا۔ لیکن یاد رکھیں اس وقت سب مسلمان متفق ومتحد تھے۔ آج امت مسلمہ باہمی اختلافات اور کفار کی سازشوں کا شکار ہوچکی ہے۔ بیرونی دشمنوں کا مقابلہ بہت دور کی بات ہے اندرونی اختلافات کی بنا پر غیروں کا آلۂ کار بن چکے ہیں۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی دنیا کی اہم ترین مشکلات اور پریشانیوں میں سے ایک مشکل اور پریشانی یہ بھی ہے کہ ہرطرف بدامنی اور ظلم و استبداد کا دور دورہ ہے۔ چوری، ڈاکہ زنی، چھینا جھپٹی اور مار دھاڑ، لوٹ مار، کرپشن، بدعنوانی، دھوکہ فراڈ اور ملاوٹ جیسے جرائم نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ ہوس پرستی، مال و دولت اور جائیداد بڑھانے کی حرص اور دیگر بہت سی اخلاقی کمزوریوں کی بنا پر بدامنی اور انتہاپسندی میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عالمی سطح پر ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھا جائے اور ایک دوسرے کی سرحدوں کو پامال نہ کیا جائے۔ اخلاقی وجغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ عمداً کسی پر زیادتی نہ کی جائے۔ غلطی کی صورت میں معافی اور درگزری کا راستہ اپنایا جائے تو قیام امن کا راستہ ہموار ہوسکتا ہے۔

انسانی زندگی کے ہر میدان میں، خواہ وہ فکری ہو یا معاشی میدان، انفرادی ہو یا اجتماعی میدان، امن کا قیام ضروری ہے۔ قیام امن کا انحصار صرف اور صرف انسان کی ذاتیات پر ہی نہیں کہ اس کا نفس محفوظ ہو، مال اور اہل و عیال محفوظ ہوں بلکہ فکری، ثقافتی اور معاشرتی اور مذہبی طور پر بھی پرامن اور آزاد ہو۔ علاوہ ازیں معاشرے میں قیام امن کے لیے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا استیصال بھی ضروری ہے۔ جس کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم: ﴿وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَااسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾ کے تحت جدید پیمانے پر بھرپور تیاری کی جائے۔ دشمن کے سامنے کمزوری نہ دکھائی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ صبر کا مظاہرہ بھی کرنا چاہیے کیونکہ نصرت الٰہی ہمیشہ صابرین کے ساتھ ہوتی ہے۔ صبر ایسا ہتھیار ہے جس کے ذریعے دشمن کی ہرچال ناکام کی جاسکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ

كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ ''اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو ان کا مکر تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔'' (آل عمران 120:3)

اسلام میں امن وامان کا مقام

قرآن مجید کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امن و اطمینان اور سکون نازل کرکے انسانیت پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اس احسان عظیم اور نعمت کبریٰ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ قبیلہ قریش کو امن و سکون اور خوشحالی عطا کرکے اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ احسان جتایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ O الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ ''لہٰذا انھیں چاہیے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں۔ جس نے انھیں بھوک میں کھانا کھلایا اور انھیں خوف سے امن دیا۔'' (قریش 106: 4,3) پورا عرب بدامنی کا شکار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم قرار دے کر اہل مکہ پر احسان عظیم کیا۔ فرمایا: ''کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم نے حرم (مکہ) کو پرامن بنایا ہے، جبکہ لوگ اس کے اردگرد سے اچک لیے جاتے ہیں۔'' (العنکبوت 67:29) اسی طرح اصحاب الحجر کو امن واطمینان اور صنعتی ترقی سے نواز کر اللہ تعالیٰ نے احسان جتلاتے ہوئے فرمایا: ''اور وہ پہاڑوں سے بے خوف ہو کر گھر تراشتے تھے۔'' (الحجر 82:15) اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے موحدین مومنین کو ان کے ایمان اور توحید کے بدلے میں انعام اور ثواب و جزا کے طور پر امن و اطمینان عطا کرکے فرمایا: ''جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا، وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے، اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔'' (الانعام 82:6) یعنی دنیا و آخرت دونوں میں ان کے لیے امن ہوگا۔

دنیا میں امن کے بارے میں فرمایا: ﴿وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ ''جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی، اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین محکم و پائیدار کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا، اور یقیناً ان کی حالتِ خوف کو بدل کر وہ ضرور انھیں امن دے گا۔'' (النور 55:24) اور آخرت میں ان کے لیے امن کیسے ہوگا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَ هُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ﴾ ''جو شخص نیکی لائے گا، تو اس کے لیے اس سے زیادہ بہتر (بدلہ) ہوگا، اور وہ اس دن ہر گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے۔'' (النمل 89:27) مومنوں کو صرف دنیا و آخرت میں امن سے نوازا ہی نہیں جائے گا بلکہ اہل جنت کا امن وسلامتی کے خاص شعار کے ساتھ استقبال بھی کیا جائے گا۔ فرمایا: ''(کہا جائے گا:) تم اس میں سلامتی سے بامن داخل ہوجاؤ۔'' (الحجر 46:15) معلوم ہوا کہ امن واطمینان جنت کی نعمتوں کا ہی ایک حصہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے امن کے مقابلے میں خوف بنایا ہے، بدامنی، خوف اور انتشار کو بدترین معاشروں کے لیے بطور سزا مقرر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ ''اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے جو امن واطمینان سے (آباد) تھی، اس کا رزق اسے ہر جگہ سے وافر (میسر) آتا تھا، پھر اس (کے باشندوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے انھیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے بھوک چکھائی اور خوف کا لباس (پہنایا)۔'' (النحل 112:16)

امن وسکون سے زندگی گزارنا اور دوسروں کو اپنے سے بے خوف رکھنا مومن کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: «اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ» ''کامل مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور پکا مومن تو وہ ہے جسے لوگ اپنے مال اور خون میں امین سمجھیں، یعنی ان کے مال و جان اس سے محفوظ ہوں۔'' (جامع الترمذي: 2627)

اسلام میں بلاوجہ ایک انسان کا قتل کرنا پوری انسانیت کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔ ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ ''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا۔'' (المآئدة 32:5) کسی کو قتل کرنا تو کجا رہا قتل میں معمولی سی معاونت بھی حرام ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''جو شخص کسی مسلمان کو قتل میں مدد کرے خواہ نصف کلمے سے ہی کیوں نہ ہو تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا: یہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔'' (سنن ابن ماجه: 2620) اسی طرح جذبۂ قتل اور ارادہ قتل کے بارے میں اسلام کے احساسات کس قدر نازک ہیں، رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''جب دو مسلمان تلوار لے کر باہم مقابلے کے لیے نکلیں اور ان میں سے ایک مارا جائے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔'' قاتل اپنے جرم کی وجہ سے اور مقتول اپنے ساتھی کو قتل کرنے کی حرص کی وجہ سے جہنم میں جائے گا۔ (صحيح البخاري: 7083، و سنن النسائي: 4125) ارادہ دونوں کا ایک دوسرے کو قتل کرنے کا تھا۔

چار ماہ امن کی ریہرسل

دین اسلام میں مستقل بنیادوں پر قیام امن کے لیے امت مسلمہ کو باقاعدہ ریہرسل اور مشق کروائی جاتی ہے۔ قیام امن کی عملی تربیت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سال کے 12 مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے قرار دے کر امت مسلمہ کو ان میں جنگ کا آغاز کرنے سے منع کر دیا ہے: ''بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہی ہے اللہ کی کتاب میں، جس دن (سے) اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ان میں سے چار (مہینے) حرمت والے ہیں۔'' (التوبة 36:9) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینوں کی، نہ حرم میں قربان ہونے والے اور نہ پٹے پہنائے جانوروں کی۔'' (المآئدة 2:5) حرمت والے مہینوں میں مُحرِم کے لیے ضروری ہے کہ نہ لوگوں کو تکلیف پہنچائے نہ چرند و پرند اور حشرات الارض کو نقصان پہنچائے اور اس کے لیے شکار بھی حرام ہے: ''جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو۔'' (المآئدة 95:5) رسول اکرم ﷺ نے سلام کو مومنوں کے مابین باہمی محبت کا شعار قرار دے کر سلام (سلامتی و امن) کو عام کرنے اور رواج دینے کا باقاعدہ حکم دیا ہے: «اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ» ''آپس میں سلام کو خوب پھیلا دو۔'' (صحيح مسلم: 54)

اسی طرح پرامن معاشرتی زندگی گزارنے کے لیے ہی رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کو کسی بھی ذریعے سے خوف زدہ کرنے سے منع کر دیا ہے: «مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا» ''جس نے ہمارے خلاف اسلحہ اٹھایا اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔'' (صحيح مسلم: 98) «لَايَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا» ''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو خوف زدہ کرے۔'' (سنن أبي داود: 5004) امن و امان کا قیام مقاصد شریعت میں سے ایک مقصد ہے۔ جان و مال، عزت و آبرو اور دین اور عقل کی حفاظت بھی مقاصد شریعت میں سے ہیں۔ مکمل قیام امن کے لیے سب کی حفاظت ضروری ہے۔

امن کی اہمیت اور انسانی ضرورت

امن و سلامتی کا اندازہ لگانے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر کو ان کی والدہ سمیت سرزمین حجاز میں لا بسایا۔ ان کے لیے اپنے رب سے جو کچھ مانگا اس میں سب سے پہلے یہ عرض کیا: ﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا﴾ ''اے پروردگار! اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے۔'' (البقرة 126:2) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجے میں مکہ کو حرم قرار دے کر پرامن شہر بنا دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے اسی نہج پر مدینہ کو بھی حرمت والا شہر قرار دیا۔ ان شہروں میں داخل ہونے والے کو امن و اطمینان اور سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔ ''اور جو اس میں داخل ہو جائے، وہ امن والا ہو جاتا ہے۔'' (آل عمران 97:3)

سائنسی، معاشرتی اور شرعی لحاظ سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ انسان فطرۃً معاشرت پسند ہے۔ مل جل کر باہمی رابطے و تعاون والی زندگی

گزارنے کی طرف زیادہ میلان اور جھکاؤ رکھتا ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں کہ انسان کے لیے مل جل کر زندگی گزارنا ضروری ہے۔ کسی بھی انسان کی طرف سے ظلم و زیادتی کا ارتکاب اس کی فطرت سیئہ کا نتیجہ ہوتی ہے اگر وہ پاک دامن و پاک باز ہے تو وہ ظلم، زیادتی، حسد اور کینہ جیسی برائیوں سے دور رہتا ہے۔ انسان کو ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی سے روکنے اور باہم مل کر پرامن زندگی گزارنے اور ایک دوسرے کے حقوق کا احترام مضبوط حکومت کی نگرانی میں ہی ممکن ہے۔ قیام امن حکومت کی اولین ذمہ داری ہے کیونکہ یہ اجتماعی معاشرے کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک ضرورت ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''جو شخص اپنے گھر میں امن و اطمینان سے صبح کرتا ہے، جسمانی طور پر صحت و عافیت کے ساتھ ہوتا اور اس کے پاس اس دن کی خوراک موجود ہو تو گویا اس کے لیے پوری دنیا جمع کردی گئی ہے۔'' (جامع الترمذي: 2346) اجتماعی معاشرتی زندگی میں فنی مہارتوں کا حصول اور ہر لحاظ سے اپنی طاقت میں اضافے کا حصول امن کے بغیر ناممکن ہے۔

اسی طرح انسان کو زمین پر اتارنے کا مقصد زمین کی آبادکاری تھا: ''اسی نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور اسی نے تمھیں اس میں آباد کیا، چنانچہ تم اس سے بخشش مانگو۔'' (ھود 61:11) اس مقصد کے حصول کے لیے بھی امن ضروری ہے۔ اسی وجہ سے اکثر مالی ادارے، کمپنیاں اور سرمایہ دار لوگ مستحکم اور پرامن ممالک میں ہی سرمایہ کاری کو ترجیح دیتے ہیں جس بنا پر پرامن ممالک کے باشندے روزگار ملنے کی وجہ سے روز بروز معاشی طور پر خوشحال ہونے لگتے ہیں۔ علاوہ ازیں انسان کی پیدائش کا سب سے بڑا مقصد اللہ خالق و مالک کی عبادت کرنا ہے۔ بدامنی، خوف و ہراس اور لوٹ مار کے معاشرے میں عبادت کی ادائیگی بھی مشکل ہوجاتی ہے۔ اسی وجہ سے پرامن علاقے میں نماز کی ادائیگی کا طریقہ حالت جنگ و انتشار اور بدامنی میں نماز کی ادائیگی کے طریقے سے مختلف ہے۔ بدامنی، انتشار اور حالت جنگ میں نماز کے لیے طہارت کا حصول اور قبلہ رخ ہونا بھی ساقط ہوجاتا ہے۔ جمعہ کی فرضیت بھی ساقط ہوجاتی ہے۔ حج کی فرضیت کے لیے بھی راستے اور سفر کا پرامن ہونا ضروری ہے۔

قیام امن ہر فرد کا فرض منصبی ہے

معاشرے کے بہت سے مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کا حل ایک ہی صورت میں ممکن ہوتا ہے اور وہ ہے معاشرے کے تمام افراد کا باہمی تعاون و جدوجہد۔ ہر بندہ اپنے طور پر ایسے اعمال کرے جن کی بنا پر معاشرے کا بھلا ہوسکتا ہے اور ہر ایسے عمل سے اپنے آپ کو دور رکھے جس سے پورے معاشرے کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اجتماعی معاشرتی زندگی کے لیے جو قوانین ترتیب دیے جائیں اگر وہ شریعت کی مخالفت نہ کریں تو ان کا احترام ضروری ہے۔ معاشرے کا ہر فرد اپنی جگہ ذمہ دار ہوتا ہے اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اس لیے ہر فرد اپنے زیر کفالت افراد کو اچھائی اور برائی سے آگاہ کرتا رہے تو معاشرہ سنور سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔'' (آل عمران 104:3) اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَراً فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَالِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ» ''تم میں سے کوئی شخص اگر برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ اور طاقت سے دور کرے اگر ایسا نہیں کرسکتا تو اپنی زبان کے ذریعے لوگوں کو اس برائی سے آگاہ کرے، اگر ایسا بھی نہیں کرسکتا تو کم از کم دل میں اس کو برا ضرور سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔'' (صحیح مسلم: 49)

لہٰذا ہر ایسا اقدام جس کی وجہ سے لوگوں کے حقوق غصب ہوتے ہوں، اس کی وجہ سے محرومیوں کا شکار ہونا پڑے تو ایسا اقدام شریعت کی نظر میں برائی تصور کیا جائے گا جس کی روک تھام میں باہمی تعاون معاشرے کے ہر فرد کے لیے ضروری ہے۔

بدامنی کے اسباب اور قیام امن

معاشرتی زندگی میں چونکہ ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ خاندان، قبیلے اور ادیان کے مختلف ہونے کی بنا پر رسم و رواج بھی مختلف ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں علاقائی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ لوگوں کے مزاج اور رہن سہن کے طور

اطوار میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم وتربیت اور جہالت کا بھی کافی عمل دخل ہوتا ہے۔ یہ چیزیں بدامنی پھیلانے اور قیام امن میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

اس وقت ہمارے معاشرے میں ہندوؤں کے رسم ورواج کو پورا کرنے کے لیے ہرقسم کی تگ ودو کی جاتی ہے۔ اس راستے میں پھر کوئی نہیں دیکھتا کہ کسی کے حقوق غصب ہورہے ہیں یا کسی کا مالی اور جانی نقصان ہورہا ہے اپنے مفاد کو زیادہ عزیز سمجھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے معاشرہ بدامنی کا شکار ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ہندووانہ رسم ورواج کا خاتمہ قیام امن کے لیے ضروری ہے۔

مال و دولت کی حرص اور لالچ کی وجہ سے بھی ہرشخص حلال وحرام کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے کے لیے اپنی اپنی بساط کے مطابق حربے اختیار کرتا جارہا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''دنیاداری کے لحاظ سے اپنے سے کم تر کو دیکھو اور برتر کی طرف نظر نہ دوڑاؤ، تم اللہ کی نعمتوں کو حقیر نہ سمجھنے لگ جاؤ۔'' (صحیح مسلم: 2963) ایسا کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بنتا ہے۔ اس کی نعمتوں کی قدر کرتا ہے۔ معاشرے کا ہرشخص قناعت اور صبر والی زندگی اپنائے گا تو معاشرے میں امن واطمینان کی فضا پیدا ہوجائے گی ورنہ پورا معاشرہ بدامنی کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنا، ملاوٹ کرنا، جھوٹ بولنا، خیانت کا ارتکاب کرنا، کرپشن اور بدعنوانی کرنا، چوری، رشوت، ڈاکہ زنی، سود خوری، دھوکا دہی، بے انصافی، اقربا پروری، سیاسی دباؤ اور منافقت کا سہارا لے کر غیروں کے مفاد کے لیے کام کرنا ایسی مہلک بیماریاں ہیں جن کی وجہ سے معاشرے میں بدامنی پیدا ہوتی ہے۔ قیام امن کے لیے سرکاری سطح پر ان تمام بیماریوں کا سدّباب ضروری ہے۔

مسلم معاشرہ ہونے کے ناطے ہمیں اسلامی احکامات پر عمل کرکے قیام امن کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ حدود اللہ اور اسلامی تعزیرات کے نفاذ کی وجہ سے جرائم کا خاتمہ، مجرمین کی سرزنش اور دیگر لوگوں کے لیے نشان عبرت بن سکتا ہے۔ ایسا نہ کرنے کی وجہ سے مجرمین کی حوصلہ افزائی اور جرائم میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں دہشت گردی، ڈاکہ زنی، چوری اور زنا کی وارداتیں بکثرت پائی جاتی ہیں اور اسی وجہ سے قتل و غارت اور بدامنی کا راستہ ہموار ہوجاتا ہے۔ لہٰذا حدوداللہ کا نفاذ قیام امن کے لیے بنیادی کردار ادا کرے گا۔

مسلم معاشرے کو بدامنی کا شکار کرنے کے لیے غیر مسلم بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بظاہر غریبوں کے خیرخواہ اور معاون بن جاتے ہیں۔ ہمدردیاں حاصل کرنے کے بعد مسلم معاشرے سے ہی زرخرید ایجنٹ تیار کرلیتے ہیں۔ انھیں ناجائز اسلحہ فراہم کرکے چند ٹکوں کے عوض دہشت گردی کی وارداتیں کروائی جاتی ہیں۔ پھر مسلمانوں میں سے ہی ایک گروہ پر اس کی ذمہ داری ڈال دی جاتی ہے نتیجتاً مسلمانوں کے گروہ آپس میں لڑنا شروع کردیتے ہیں۔ غیر مسلموں کا کام بس صرف آگ بھڑکانا ہوتا ہے۔ بنابریں پورے معاشرے میں بدامنی برپا ہوجاتی ہے۔ اس لیے قیام امن کے لیے معاشرے کے ہر فرد اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ان لوگوں پر کڑی نظر رکھ کر ان کا سدّباب کیا جائے تاکہ معاشرہ پرامن رہ سکے۔

اس وقت پوری دنیا میں مسلمان ہی ظلم وستم اور بدامنی کا شکار کیوں ہیں؟ اس کی وجہ ہماری بداعمالیاں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ ''خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے فساد ظاہر ہوگیا ہے، تاکہ اللہ انھیں ان کے بعض اعمال (کا مزہ) چکھائے، جو انھوں نے کیے، تاکہ وہ (ہدایت کی طرف) رجوع کریں۔'' (الروم 41:30)

معلوم ہوا کہ اس وقت اکثر ممالک میں جو کفر و شرک، معصیت و نافرمانی، فسق و فجور اور ظلم و استبداد کا دور دورہ ہے۔ یہ سب غیر اسلامی نظام کی اتباع میں اعتقادی، اخلاقی اور عملی ابتری میں مبتلا ہونے کی بنا پر بروبحر میں ہرسو فساد برپا ہوگیا ہے۔ اب اس فساد کے خاتمے اور قیام امن کی ایک ہی صورت ہے کہ اسلامی نظام کو نافذ کیا جائے۔ عالم اسلام کو کفار کے خلاف متحد کیا جائے۔ ورنہ امتِ مسلمہ کفار کی سازشوں کا شکار ہوکر صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گی۔ اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا وَلَا تَنْصُرْ عَلَيْنَا.

❁❁❁❁



شادی بیاہ کی رسومات کے ارتکاب، ان میں شرکت اور ان سے تعاون میں بڑے بڑے دین دار حضرات بھی کوئی تأمل نہیں کرتے، ایسے مداہنت پسند حضرات کے لیے چند احادیث مختصر مختصر تبصرے کے ساتھ پیش ہیں تاکہ ان کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیا جا سکے۔

① رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ﴾ ''تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اس کی برائی کا اظہار کرے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔'' (صحیح مسلم: 49)

وضاحت

مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر قوام (حاکم، نگران، سربراہ) بنایا ہے اس لیے ہر مرد فطری طور پر اپنے گھر کا سربراہ ہے۔ سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھر کے سارے افراد کو راہِ راست پر رکھے اور اس سے ان کو منحرف نہ ہونے دے۔ اس خداداد مقام پر فائز مرد کے یہ شایانِ شان نہیں کہ وہ یہ کہے کہ شادی کی رسومات میں بیوی میری بات نہیں مانتی، بچے نہیں مانتے۔ یہ اس کے شیوۂ مردانگی کے بھی خلاف ہے۔ اور یہ عذر بارگاہ الٰہی میں ناقابل شنوائی بھی۔ علاوہ ازیں دنیاوی معاملات میں کیا کوئی مرد ایسی بے بسی کا مظاہرہ کرتا ہے؟ اگر ہانڈی میں نمک مرچ کم یا زیادہ ہو جائے تو دونوں صورتوں میں عورت کی کم بختی آجاتی ہے۔ اس وقت تو عورت کی بے بسی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ مرد کی ناراضی پر چوں بھی نہیں کرتی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دین ہی ایسا یتیم ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے اس کے ساتھ جو چاہے، سلوک کر لیں، مردوں کے کانوں میں جوں تک نہیں رینگتی۔

مذکورہ حدیث کی روشنی میں ہر مرد سوچ لے کہ منکرات سے یہ سمجھوتہ اس کو ایمان کی کس پستی میں دھکیل رہا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ منہ.

② حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ، وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ، وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ، أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ» ''خبردار! تم سب کے سب نگران اور ذمے دار ہو اور تم سب سے اپنی اپنی رعیت (ماتحتوں) کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ حاکمِ وقت لوگوں پر حکمران، ذمے دار اور نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت ملک



کے عوام کی بابت باز پرس ہوگی، مرد اپنے گھر والوں پر نگران ہے اور اسے ان کی بابت پوچھا جائے گا، عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے اور اس سے ان کی بابت باز پرس ہوگی، غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔ اچھی طرح سن لو! تم سب کے سب نگران اور ذمے دار ہو اور تم سب سے اپنے اپنے ماتحتوں (رعیت) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

(صحيح مسلم: 1829)

وضاحت

عربی زبان میں راعی کا مطلب ہے نگران اور ذمے دار۔ کس چیز کا؟ جو اس کے ماتحت ہے، وہ ان کی اصلاح کرنے کا، ان کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کرنے کا اور ان کے دین و دنیا کی مصلحتوں کا خیال رکھنے کا ذمے دار ہے۔ مسئول کا مطلب ہے اس سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا، باز پرس ہوگی، کس بات کی؟ اس بات کی کہ اس نے اپنے ماتحتوں کے حقوق کی رعایت کی؟ ان کی دینی و دنیاوی مصلحتوں کا خیال رکھا اور ان کی تعلیم و تربیت کا صحیح اہتمام کیا؟ اس حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے کہ معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں اور شادی بیاہ میں ہونے والی خلاف شرع رسومات و خرافات سے اپنے اپنے ماتحتوں کو بچانے میں کوئی کردار ادا کیا ہے؟ کیا ہے تو وہ کیا ہے؟ ہر گھر کا سربراہ مرد بھی اور عورت بھی اللہ کی بارگاہ میں جانے سے پہلے آخرت کی باز پرس کو سامنے رکھے۔

③ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ، مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ، وَمُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ يُهْرِيقُ دَمَهُ» ''لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اللہ کے ہاں تین شخص ہیں: ① حرم میں بے دینی پھیلانے والا ② اسلام میں جاہلیت کے طریقے تلاش (اختیار) کرنے والا ③ ناحق کسی شخص کے خون کا خواہاں تاکہ وہ اس کا خون بہائے۔''

(صحيح البخاري: 6882)

وضاحت

ہماری شادی بیاہوں کی بیشتر رسومات ہندوؤں کی نقالی پر مبنی ہیں یا مغرب کی حیا باختہ تہذیب اور زمانۂ جاہلیت کی خرافات پر۔ گویا قدیم و جدید جاہلیت کا مجموعہ اور اسلامی تعلیمات سے یکسر بے اعتنائی کا نمونہ۔ اس انداز سے شادیاں کرنا یا ان میں ذوق و شوق سے شریک ہو کر ان کی حوصلہ افزائی کرنا، یہ اسلام میں جاہلی طریقوں ہی کو فروغ دینا ہے۔ ایسے لوگوں کا اللہ کے ہاں کیا مقام ہے؟ وہ اس حدیث کی دوسری شق سے واضح ہے۔ دنیا میں تو انسان کا ہوا و ہوس میں مبتلا نفس اور شیطان اس کا پتہ نہیں چلنے دیتا لیکن آخرت میں تو ان کی کارفرمائی ختم ہو چکی ہوگی اور اللہ کے ہاں اس کا وہ مقام واضح ہو کر سامنے آجائے گا جس کا ہیولہ اس نے اپنے عمل و کردار سے تیار کیا ہوگا اور وہ ہے اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ترین شخص۔ اور اس روز ناپسندیدہ ترین شخص کا جو مقام ہوگا، اس کا اندازہ رسوماتِ جاہلیہ کا دل دادہ مرد اور عورت کو کر لینا چاہیے۔

④ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئٌ» ''جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا، تو اس کو خود اس پر عمل کرنے کا اجر بھی ملے گا اور ان کا بھی اجر ملے گا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے اجروں میں کچھ کمی ہو۔ اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس پر اس کے اپنے عمل کا بھی بوجھ ہوگا اور ان سب کے گناہوں کا بھی بوجھ ہوگا جو اس کے بعد اس برائی پر عمل کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے بوجھوں میں کوئی کمی ہو۔''(صحيح مسلم:1017)

وضاحت

اس حدیث میں اچھا طریقہ نکالنے یا جاری کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے، کیونکہ یہ تو بدعت ہوگی جس کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر بدعت گمراہی اور جہنم میں لے جانے والی ہے۔ بدعت سازی دراصل شریعت سازی ہے جس کی اجازت کسی کو نہیں ہے۔



بلکہ اچھے طریقے سے مراد کسی ایسے عمل میں پہل کرنا ہے جو شریعت سے ثابت ہے بلکہ اچھے طریقے سے مراد کسی ایسے عمل میں پہل کرنا ہے جو شریعت سے ثابت ہے یا کسی ایسی جگہ پر اس عمل شریعت کو سرانجام دینا ہے جہاں پہلے لوگوں کو اس کا علم نہیں تھا یا خاندانی رسم و رواج کی وجہ سے اس پر عمل متروک تھا، اس کو کرنے پر دوسروں کو ترغیب ملی اور انھوں نے بھی اس کو اختیار کر لیا، یا اس کی جگہ کوئی سنت متروک تھی، کسی ایک شخص کے عمل کرنے پر دوسرے لوگوں نے بھی اس سنت کو اپنا لیا۔ ان تمام صورتوں میں کسی بھی ثابت شدہ نیک عمل کا آغاز کرنے والے، سنتِ متروکہ کو زندہ کرنے والے اور فراموش شدہ نیکیوں کو یاد کرانے والے کو ان تمام لوگوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے۔ اسی طرح کسی نے اس کے برعکس برائی میں پہل کی یا اس کا کسی جگہ آغاز کیا تو بعد میں اس کو دیکھ کر برائی کے مرتکبین کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پہل کرنے یا آغاز کرنے والے کو ملے گا۔

اس حدیث کی روشنی میں شادی بیاہوں کی جاہلانہ رسومات اور اسراف وتبذیر پر مبنی بھاری بھرکم اخراجات، سنتِ سیئہ (برا طریقہ) ہے۔ کسی خاندان میں اگر سادگی سے نکاح کرنے کا رواج تھا، رسومات سے بچا جاتا تھا۔ لیکن اس خاندان کے کسی فرد نے اگر دولت کے نشے میں اس کے برعکس مروجہ رسومات کے ساتھ شادی کرنے میں پہل کی یا اس خاندان میں مہندی کی بے حیائی پر مبنی رسم نہیں تھی، اس نے اس خاندان میں اس کا آغاز کیا، پہلے مجرے کا سلسلہ نہیں تھا، اس نے اس کا ارتکاب کیا، وعلی ہذا القیاس اس طرح کی دیگر برائیوں میں پہل کرتا ہے۔ تو اس کے بعد اس خاندان میں جتنے لوگ بھی ان میں ملوث ہوں گے، ان کا ارتکاب کریں گے، ان سب کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پہل کرنے والے کو ملے گا۔

اسی طرح شادی بیاہوں میں سادگی، پردے کی پابندی، بھاری بھرکم اخراجات سے اجتناب جیسی خوبیاں سنت حسنہ ''اچھا طریقہ'' ہے جو شخص اپنے خاندان میں اس اچھے طریقے کو شامل کرنے میں پہل کرے گا، بعد میں اس خاندان کے جتنے لوگ اس کی پیروی کرتے ہوئے تمام خرافات و رسومات سے بچ کر شادیاں کریں گے، پہل کرنے والے کو بھی ان سب کی ان نیکیوں کا اجر ان کے اجروں میں کٹوتی کے بغیر ملے گا۔

یہ دو راستے اور دو طریقے ہیں۔ ایک ڈھیروں اجر وثواب کمانے کا اور دوسرا گناہوں کا ناقابلِ برداشت بوجھ اپنے اوپر لاد لینے کا۔ ''اب جس کا جی چاہے بھلائیوں والا راستہ اپنا لے اور جس کا جی چاہے دوسرا، لیکن اسے یاد رکھنا چاہیے کہ نافرمانی والا راستہ اختیار کرنے والوں کے لیے جہنم کی آگ ہے۔''

⑤ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا، أَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ أَلْهَبَ فِيهِ نَارًا» ''جس نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا، پھر اس میں جہنم کی آگ بھڑکائے گا۔'' (سنن ابن ماجه: 3607؛ و سنن أبي داود: 4029)

وضاحت

اللہ تعالیٰ نے اسباب ووسائل سے نوازا ہو تو اظہارِ نعمت کے طور پر اچھا اور عمدہ لباس پہننا جائز ہے۔ لیکن اس حدیث میں جس لباس شہرت کا ذکر ہے، وہ کون سا ممنوع لباس ہے؟ اس کی چار صورتیں ہیں: اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان اس نیت سے لباس فاخرہ پہنے کہ لوگوں میں اس کے لباس کا اور اس کی شان وشوکت کا چرچا ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عام چلن کے برعکس ایسے رنگ کا لباس یا ایسی تراش خراش کا لباس پہنے کہ اس کی اس طرفہ طرازی کی وجہ سے اس کی شہرت ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ریاکاری کے طور پر فقراء ومساکین کے روپ میں رہے تاکہ لوگ اسے پارسا اور پرہیز گار سمجھیں۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ محض نمود نمائش کی نیت سے کسی مخصوص قسم کے لوگوں کا لباس اور ان کے طور اطوار اختیار کیے جائیں، جیسے آج کل بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں فلموں میں کام کرنے والے مردوں اور عورتوں کے حیا باختہ لباسوں اور بے ہودہ طور اطوار کی نقالی کرتے ہیں۔ اور ایک پانچویں صورت اور ہے کہ ایسا لباس پہنا جائے کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کے نمایاں حصے عریاں ہوں۔ اس صورت کی مزید تفصیل اگلی حدیث کے تحت آئے گی۔ شادی بیاہوں میں



ہماری عورتوں کا لباس بالعموم ایک تیسری صورت کو چھوڑ کر۔ باقی صورتوں کا مظہر ہوتا ہے۔ اس قسم کے لباسوں پر جو سخت وعید ہے، وہ ہم سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾. کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا؟

⑥ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا، قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ، رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا» ''جہنمیوں کی دو قسمیں ہیں جنھیں میں نے نہیں دیکھا (ابھی ان کا وجود نہیں ہے، مستقبل میں ہوگا) ایک وہ لوگ کہ ان کے پاس کوڑے ہوں گے گائے کی دموں جیسے، وہ ان سے لوگوں کو ماریں گے۔ دوسری قسم وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، مائل کرنے والی اور مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کی کوہان کی طرح جھکے ہوں گے، یہ عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی بلکہ اس کی خوشبو تک نہ پائیں گی، حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت، یعنی بڑی بڑی دور سے سونگھی جاسکنے والی ہوگی۔''(صحیح مسلم: 2128)

وضاحت

یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور اعلام نبوت میں سے ہے۔ آپ نے اس میں جن دو قسم کے لوگوں کی پیش گوئی فرمائی تھی، آج قدم قدم پر اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر عورت کی جن فتنہ سامانیوں اور حشر انگیزیوں کا اس میں تذکرہ ہے۔ وہ محتاج وضاحت نہیں۔ ذیل میں اس کی کچھ توضیح کی جاتی ہے۔ پہلی قسم سے ظالم قسم کے لوگ مراد ہیں۔ جو اپنے وسائل، طاقت واقتدار اور جاہ ومنصب کی بنیاد پر لوگوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کرتے ہیں۔ دنیا میں یہ لوگ طاقت کے نشے میں اندھے اور مغرور ہوتے ہیں اس لیے رحم وکرم کی بجائے ظلم وستم ان کا شعار ہوتا ہے۔ آخرت میں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

جہنمیوں کی دوسری قسم فیشن ایبل عورتوں کی ہوگی، ان کی حسب ذیل علامات اور خصوصیات ہوں گی:

① لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، اس کی تین شکلیں عام ہیں:

(ا) لباس پہننے کے باوجود ان کے جسم کے بہت سے قابلِ ستر حصے ننگے ہوں، جیسے چہرہ، ہاتھ، یا بازو، گردن اور سینہ (چھاتی) اور گردن کا پچھلا حصہ۔ عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جن کے یہ حصے ننگے ہوتے ہیں، حالانکہ یہ سب حصے پردے میں رہنے چاہییں۔

(ب) ایسا تنگ اور چست لباس پہنا جائے کہ جس سے جسم کے خدوخال ہی نہیں، انگ انگ نمایاں ہو۔

(ج) یا ایسا باریک لباس پہنیں کہ جس سے سارا جسم جھلکتا نظر آئے اور ان کی جلد کی رنگت اور ان کا حسن نمایاں ہوں۔

یہ تینوں صورتیں بے پردگی کی ہیں جن سے مردوں کو دعوتِ نظارہ ملتی ہے۔ مسلمان خواتین کو جو پردے کی اہمیت کو سمجھتی ہیں، نامحرموں کے سامنے مذکورہ تینوں صورتوں سے بچنا چاہیے، اس کے بغیر پردے کے تقاضے پورے نہیں ہوسکتے۔

② مُمِیلات کے ایک معنی کیے گئے ہیں، دوسری عورتوں کو بھی مردوں کی طرف راغب کرنے والیاں، یا اپنے کندھوں کو ناز وادا سے مٹکا مٹکا کر چلنے والیاں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی چال ڈھال یا ناز وادا سے مردوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور دوسروں کو بھی بے حیائی کی اس راہ پر لگانا۔ جیسے فلموں اور ڈراموں میں کام کرنے والی حیا باختہ عورتوں کا کردار ہے، اور شادی میں شرکت کرنے والی خواتین کا حال ہے کہ وہ بھی اس موقع پر انھی کی نقالی کرتے ہوئے لباس، بناؤ سنگھار اور بے پردگی میں انھی کا سا نمونہ بننے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ مووی فلم کے ذریعے سے پورے خاندان میں ان کے حسن و جمال، ان کے لباس و زیورات اور ان کے سولہ سنگھار کا تذکرہ ہو۔

③ مائلات کے معنی ہیں ناز وادا سے ایسی چال چلنا جس سے لوگ ان کی طرف مائل اور راغب ہوں۔

④ بختی اونٹ کی مانند ان کے سر ہوں گے، کا مطلب، سر پر بالوں کا جوڑا بنا کے ان کو سر کے درمیان اونچا کر کے باندھ لینا۔ یہ فیشن بھی



چند سال قبل عورتوں میں عام تھا، اور اب بھی بہت سی عورتیں کرتی ہیں، حتی کہ بعض برقعہ پوش خواتین کے سروں پر بھی اس طرح کی کلغی نظر آتی ہے۔ اس حدیث کی رو سے بالوں کا یہ اسٹائل یا فیشن بھی ناپسندیدہ ہے۔

''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لعنت فرمائی جسم گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر، بال اکھڑوانے والیوں، حسن کی خاطر، دانتوں کے اندر شگاف کرنے والیوں پر، اللہ کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر۔ ام یعقوب نامی عورت نے کہا: اے عبداللہ! تم یہ کیا کہتے ہو؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے کیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور جو اللہ کی کتاب میں لعنتی ہے؟ اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تو وہ سارا قرآن پڑھا ہے جو دو تختیوں کے درمیان ہے۔ اس میں تو میں نے یہ چیز، یعنی مذکورہ قسم کی عورتوں پر لعنت، نہیں پائی۔ تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تو اسے صحیح سوچ سمجھ کر پڑھتی تو یقیناً تو اس میں یہ بات پاتی کہ'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں جو دیں اسے لے لو اپنا لو، اور جس سے تمھیں روک دیں اس سے رک جاؤ۔''(صحیح البخاري: 5939، وصحیح مسلم: 2125)

تشریح: وَاشِمَاتُ، وَاشِمَةٌ کی جمع ہے۔ وشم کرنے والی عورت۔ مستوشمات، جمع ہے مستوشمة کی، وشم کروانے والی عورت۔ وشم کے معنی ہیں گودنا، جس کا مطلب ہے کہ جسم کے کسی حصے پر سوئی یا اس قسم کی کسی چیز سے باریک سا سوراخ کرنا حتی کہ خون بہنا شروع ہو جائے، پھر اس میں سرمہ یا کوئی رنگ بھر دینا۔ عام طور پر چہرے یا ہاتھوں پر ایسا کیا جاتا تھا جیسے ہندو عورتیں پیشانی پر سیندور بھرتی ہیں یا بِند یہ لگاتی ہیں۔ گودنا بھی اس قسم کا کوئی فیشن تھا جو زمانۂ جاہلیت میں عورتوں میں رائج تھا۔

مُتَنَمِّصَاتٌ، مُتَنَمِّصَةٌ کی جمع ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کے معنی ہیں بال اکھڑوانے والی عورت اور اکھیڑنے والی عورت کو نامصہ کہا جاتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ گویا متنمصات وہ عوریں ہیں جن کے چہروں یا ابروؤں سے بال اکھیڑے جائیں اور جو عورتیں یہ کام کریں گی، وہ نامصہ ہیں۔ یہ بھی اس زمانے میں فیشن تھا کہ پلکوں اور چہرے کے اِکے دُکے بالوں کو اکھیڑا جاتا تھا جیسے آج کل بھی یہ جاہلی فیشن عورتوں میں عام ہے۔ وہ ابروؤں کے بالوں کو اکھیڑ کر مختلف قسم کے چمکیلے رنگ یا سرمہ وغیرہ اس میں بھر لیتی ہیں۔ حدیث کی رو سے یہ سب لعنتی فعل ہیں۔

تاہم کسی عورت کے چہرے پر داڑھی یا مونچھیں اُگ آتی ہیں تو چونکہ یہ معمول کے خلاف بات ہے اس لیے ان بالوں کا صاف کرنا اس کے لیے جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ ان بالوں سے واقعی عورت کا چہرہ بدنما ہو جاتا ہے۔ اس بدنمائی کو دور کرنا اس کے لیے جائز اور مستحب ہے۔ جب کہ پہلی قسم کا مطلب فیشن کے طور پر اللہ کی پیدائش میں تبدیلی کرنا ہے جس کی اجازت نہیں ہے۔

مُتَفَلِّجَات، مُتَفَلِّجَةٌ کی جمع ہے۔ یہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو فلج کرتی یا کرواتی ہے فلج کے معنی ہیں، ثنائی یا رباعی دانتوں کے درمیان کشادگی کرنا۔ یہ وہ عورتیں کرتی تھیں جن کے دانت ملے ہوتے تھے اور وہ ایسا اپنے آپ کو کمسن یا خوب صورت ظاہر کرنے کے لیے کرتی تھیں، کیونکہ کمسن عورتوں کے دانتوں کے درمیان کچھ کشادگی ہوتی ہی ہوتی تھی جو ان کی کمسنی اور حسن کی علامت سمجھی جاتی تھی، اس لیے بڑی عمر کی عورتیں فلج کر کے اپنی عمر تھوڑی اور حسین باور کراتی تھیں جیسے آج کل بھی عورتوں میں یہ رجحان عام ہے اور اپنی عمر چھپانے کے لیے دسیوں قسم کے فیشن اور میک اَپ کرتی ہیں۔

مذکورہ بالا سب کام ایسے ہیں جن پر لعنت فرمائی گئی ہے اور اس کی دو وجوہ ہیں۔ ایک یہ کہ ان سب کاموں میں مقصد دھوکا اور فریب دینا ہے۔ دوسرا ان میں اللہ کی پیدائش میں تبدیلی کرنے کی مذموم سعی ہے۔ مذکورہ تفصیل سے حسب ذیل چیزیں واضح ہوتی ہیں۔

عورت زیب و زینت اختیار تو کر سکتی ہے گو اس کا اظہار صرف خاوند کے سامنے جائز ہے لیکن اپنے حسن و جمال میں اضافے کے لیے زیب و زینت کے ایسے طریقے اختیار نہیں کر سکتی جن میں دھوکا اور فریب کا عنصر شامل ہو یا ان میں اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کا اظہار ہو۔ شادی بیاہوں کے موقع پر عورتوں کی آرائش و زیبائش میں بالعموم یہ دونوں ہی پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

قاری طارق جاوید عارفی
ریسرچ فیلو دارالسلام



خواتین سے متعلق من گھڑت اور جھوٹی روایات

زمانہ قدیم سے لے کر عہد حاضر تک لوگ عورت کے متعلق دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک گروہ عورت کا حمایتی اور اس کے متعلق حسن ظن رکھنے والا ہے۔ دوسرا گروہ اس سے نفرت کا اظہار کرنے والا اور اس کا دشمن ہے۔ ایک عربی شاعر عورتوں کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

إِنَّ النِّسَاءَ رَيَاحِينَ خُلِقْنَ لَنَا
وَكُلُّنَا يَشْتَهِي شَمَّ الرَّيَاحِينَ

''عورتیں گل ریحان ہیں جو ہمارے لیے پیدا کی گئی ہیں اور ہم میں سے ہر شخص ریحان کے پھولوں کو سونگھنا چاہتا ہے۔''

اس کے برعکس ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

إِنَّ النِّسَاءَ شَيَاطِين خُلِقْنَ لَنَا
نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ الشَّيَاطِينِ

''عورتیں شیاطین ہیں جو ہمارے لیے پیدا کی گئی ہیں، ہم شیطانوں کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔''

کچھ ایسے لوگ ہیں جو عورت کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور مزے لے لے کر اس کا تذکرہ کرتے ہیں، خاندان اور معاشرے میں اس کے فضائل اور قابلِ فخر باتوں کو بیان کرتے تھکتے نہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو عورت کو نہایت تاریک عینک سے دیکھتے ہیں اور روئے زمین پر فساد اور برائیوں کی جڑ عورت ہی کو سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ ان لوگوں نے علم تک کو عورت کے لیے منحوس گردانا ہے۔

جب ہم اسلام کی طرف آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اسلام بیٹی، بیوی، ماں، معاشرے کے ایک فرد اور سب سے پہلے ایک انسان ہونے کی حیثیت سے عورت کے مرتبے کو بلند کرتا اور اس کی عزت افزائی کرتا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں عورت، مرد کی حریف ہے نہ اس کی مدمقابل۔ بلکہ دونوں ایک دوسرے کی شخصیت کی تکمیل کرتے ہیں۔ عورت، مرد کا ایک حصہ ہے اور مرد، عورت کا ایک حصہ۔ اسی لیے قرآن مجید نے اس کو یوں بیان کیا ہے: ﴿بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ﴾ ''تم ایک دوسرے سے ہو۔'' (آل عمرٰن 195:3) اسی کی وضاحت کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّمَا النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ» ''عورتیں مردوں ہی کی شقیقہ (ہم جنس) ہیں۔'' (سنن أبي داود: 236) امام خطابی شقیقہ کا مطلب بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: «أَيْ نَظَائِرُهُمْ وَأَمْثَالُهُمْ فِي الْخَلْقِ وَالطِّبَاعِ فَكَأَنَّهُنَّ شُقِقْنَ مِنَ الرِّجَالِ» ''عورتیں پیدائش اور طبعی اوصاف میں مردوں ہی کی طرح ہیں، گویا کہ وہ مردوں ہی سے نکلی ہوئی ہیں۔'' (معالم السنن للخطابي: 162/1)

یوں اسلام نے عورت کے بارے میں اس تصور کو کہ عورت مرد کے مقابلے میں ذلیل و حقیر مخلوق ہے، باطل قرار دیا اور واضح الفاظ میں صراحت کردی کہ تکریمِ آدمیت اور شرفِ انسانیت کے لحاظ سے مرد و عورت میں فرق روا نہیں رکھنا چاہیے۔ لہٰذا اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام نے عورت کے حقوق میں کوئی کمی کی ہے یا مرد کی وجہ سے اس پر کوئی ظلم کیا ہے۔ اسلام تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شریعت



ہے اور اللہ تعالیٰ مرد و زن دونوں کا رب ہے۔

باعث افسوس بات یہ ہے کہ عورت کے حوالے سے کچھ تاریک نظریات بعض مسلمانوں کی عقل میں بھی سرایت کر چکے ہیں۔ وہ عورت کو اہانت کی نگاہ سے دیکھتے اور اپنے کو برتر سمجھتے ہیں۔ عورت ان کے ہاں شیطان کا جال ہے۔ انھیں گمراہ کرنے اور ورغلانے کے لیے شیطان کا دام ہے۔

عورت کے حقوق دبانے اور اپنی حیثیت سے کم مرتبہ دینے کے لیے ان حضرات نے کئی ایک احادیث کو اپنے موقف کے اثبات کے لیے ڈھال کے طور پر استعمال کیا ہے اور ان سے استدلال کیا ہے۔ یہ وہ احادیث ہیں جن کا نہ کوئی سر ہے اور نہ پیر۔ ان کی نہ کوئی اصل ہے اور نہ سند۔ یا ایسی احادیث ہیں جو انتہائی ضعیف ہیں یا موضوع اور جھوٹی، جو اس سیاہی کے برابر بھی نہیں ہیں جن سے وہ لکھی گئی ہیں۔ اس مضمون میں ہم ان دس مشہور احادیث کا تذکرہ کرنا چاہیں گے جو عورت کی تحقیر کے حوالے سے زبان زد عام ہیں۔

اس عنوان پر قلم اٹھانے میں تحریک تب پیدا ہوئی جب بعض اہل علم اور دانشوروں کے متعلق یہ دیکھنے میں آیا کہ وہ عورت کے معاملے میں غلو اور افراط کا شکار ہو چکے ہیں اور یہی چیز خواتین و حضرات کی ایک بڑی تعداد کو اسلامی تعلیمات کی پابندی کرنے سے متنفر کر دیتی ہے اور ایک ایسا ہتھیار فراہم کرتی ہے جس کو لادین اور ملحد لوگ مسائل کے اسلامی حل پیش کرنے والوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔

وہ احادیث یہ ہیں:

① شَاوِرُوهُنَّ-يَعْنِي النِّسَاءَ- وَخَالِفُوهُنَّ.

''عورتوں سے مشورہ کرو اور ان کی مخالفت کرو۔'' (سلسلة الأحاديث الضعيفة، حديث: 430)

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرفوعاً اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

یہ حدیث قرآن مجید کے اس حکم کے صریح خلاف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ والدین (میاں، بیوی) بچے کا دودھ چھڑانے کے سلسلے میں باہمی مشاورت کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ ''اگر وہ دونوں (شوہر اور سابقہ بیوی) باہمی رضامندی اور مشاورت سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔'' (البقرة 233:2) اسی طرح متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نہ صرف خواتین سے مشورہ کیا بلکہ ان پر عمل بھی کیا ہے۔ دیکھیے صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے حکم الٰہی کے ماتحت کفار کی پیش کردہ سبھی شرائط تسلیم کر لیں۔ عام صحابہ کرام جو مصلحت خداوندی کو سمجھ نہ پائے، ان شرائط سے بہت شکستہ دل ہوئے کیونکہ انھیں یہ شرائط مسلمانوں کے مفاد کے خلاف معلوم ہوتی تھی اور ظاہری طور پر تھا بھی ایسا ہی۔ شرائط صلح کی تکمیل کے بعد نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ قربانیاں کریں اور سر منڈا کر احرام کھول دیں۔ شکستہ دل صحابہ نے اس فرمان پر عمل کرنے میں کچھ تامل کیا۔ آپ ﷺ اس سے رنجیدہ خاطر ہوئے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس وقت آپ کے ہمراہ تھیں، آپ ﷺ نے ان سے اس کیفیت کا ذکر کیا تو انھوں نے آپ کو مشورہ دیتے ہوئے عرض کی: اللہ کے رسول! صحابہ کرام آپ کا فرمان اچھی طرح سمجھ نہیں پائے۔ آپ خود باہر نکل کر قربانی کریں اور سر منڈا کر احرام کھول دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے خود قربانی کی اور سر منڈا کر احرام کھول دیا۔ صحابہ نے جونہی آپ ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا انھوں نے بھی دھڑا دھڑ قربانیاں کر کے، سر منڈائے اور احرام کھول دیا۔ اس طرح ایک عورت کے مشورے سے اتنی بڑی خیر و برکت حاصل ہوئی۔

اس کی دوسری مثال سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگنے کا واقعہ ہے۔ اس حوالے سے جہاں آپ نے دیگر کبار صحابہ کرام سے مشورہ کیا، وہاں دو عورتوں سے بھی مشورہ کیا۔ وہ دو عورتیں تھیں: سیدہ زینب بنت جحش اور سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہما۔ ان دونوں عورتوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق خیر و بھلائی کے جذبات کا اظہار کیا۔ لہٰذا قرآن و حدیث کی یہ واضح اور صریح نصوص اس حدیث کے بطلان پر دلالت کر رہی ہیں۔

② لَوْلَا النِّسَاءُ لَعُبِدَ اللّٰهَ حَقًّا حَقًّا.

''اگر عورتیں نہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کی جاتی جیسے (اس کا) حق ہے۔'' (سلسلة الأحاديث الضعيفة، حديث: 56)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ یہ حدیث بھی قرآن و سنت کی



صریح نصوص کے خلاف ہے۔ نبی کریم ﷺ اس کائنات کے سب سے بڑے عبادت گزار تھے۔ اور آپ کے عقد میں گیارہ بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں اور آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ ان خواتین نے مجھے اللہ تعالیٰ کی صحیح طور پر عبادت کرنے سے محروم کردیا ہے۔ ہمارے خیال میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ خواتین کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی صحیح طور پر عبادت کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ کیونکہ عورت سے شادی کی وجہ سے انسان کو عزت وعصمت کی پاکیزگی میسر آتی ہے اور عزت وعصمت کی پاکیزگی عبادت الٰہی میں سب سے بڑی مددگار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تین صحابہ میں سے ایک صحابی نے اس وجہ سے شادی سے انکار کردیا کہ اس سے میں صحیح طور پر اللہ کی عبادت نہیں کرسکوں گا تو آپ ﷺ نے ان کی سرزنش فرمائی اور فرمایا: ''میں (رات کے وقت) نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں، (نفلی) روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کررکھا ہے، لہٰذا جس نے میری سنت سے اعراض کیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔'' (صحيح البخاري: 5063)

③ عَمَلُ الْأَبْرَارِ مِنَ الرِّجَالِ مِنْ أُمَّتِي الْخِيَاطَةُ وَعَمَلُ الْأَبْرَارِ مِنْ أُمَّتِي مِنَ النِّسَاءِ الْمِغْزَلُ.

''میری امت کے نیک لوگوں کا عمل پارچہ جات کی سلائی کا کام کرنا ہے اور میری امت کی عورتوں میں سے نیک خواتین کا کام سوت کاتنا ہے۔'' (سلسلة الأحاديث الضعيفة، حديث: 109)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بھی موضوع قرار دیا ہے۔ یہ تعلیمِ نسواں کے دشمن عناصر کی اپنی تائید میں گھڑی حدیثوں میں سے ایک حدیث ہے۔

④ لَا تُسْكِنُوهُنَّ الْغُرَفَ وَلَا تُعَلِّمُوهُنَّ الْكِتَابَةَ وَعَلِّمُوهُنَّ الْمِغْزَلَ وَسُورَةَ النُّورِ.

''عورتوں کو بالا خانوں میں سکونت نہ دو، نہ ان کو لکھنا سکھاؤ بلکہ ان کو سوت کاتنا اور سورۃ النور سکھاؤ۔'' (سلسلة الأحاديث الضعيفة، حديث: 2017)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بھی موضوع قرار دیا ہے۔ یہ حدیث بھی دیگر صحیح احادیث کے مخالف ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خود اپنی اہلیہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو کتابت کی تعلیم دلوائی تھی۔

⑤ عورت کے لیے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں کہ وہ مرد کو نہ دیکھے اور مرد اسے نہ دیکھے۔

تفصیلی روایت یوں ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہم سے پوچھا: أَيُّ شَيْءٍ خَيْرٌ لِّلْمَرْأَةِ؟ ''عورت کے لیے کیا چیز بہتر ہے۔'' ہمارے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا، چنانچہ جب میں واپس سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا تو ان سے کہا: اے محمد ﷺ کی بیٹی! اللہ کے رسول ﷺ نے ہم سے ایک سوال پوچھا ہے، ہمیں سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا جواب کس طرح دیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: آپ ﷺ نے تم سے کیا پوچھا ہے؟ میں نے کہا: آپ نے پوچھا ہے کہ عورت کے لیے کیا چیز بہتر ہے؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: واقعی تمھارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے؟ میں نے کہا: نہیں ہے۔ وہ کہنے لگیں: ''عورت کے لیے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے کہ وہ مرد کو نہ دیکھے اور مرد اسے نہ دیکھے۔'' شام کے وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے ہم سے ایک سوال کیا تھا اور ہم اس کا جواب دینے سے قاصر رہے تھے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ عورت کے لیے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے کہ وہ مرد کو نہ دیکھے اور مرد اسے نہ دیکھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ جواب کس نے دیا ہے؟ میں نے کہا: فاطمہ نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا ہے۔ وہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔'' (كنز العمال: 282/23، ومجمع الزوائد: 462/9)

امام ہیثمی اس کے متعلق فرماتے ہیں: اس میں ایسے راوی ہیں جنھیں میں نہیں جانتا، نیز علی بن زید ضعیف ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ اس کی اور کوئی سند نہیں ہے۔

(سلسلة الاحاديث الضعيفة: 540/12)

قرآن مجید نے مرد وعورت دونوں کو نظر نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ غیر محرم عورت کی طرف دیکھے، تاہم عورت کسی شرعی ضرورت کے تحت پردے میں مرد کو دیکھ سکتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی اوٹ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مسجد نبوی میں ہونے والا حبشیوں کا جہادی کھیل دکھایا تھا۔

(صحيح البخاري، حديث: 454)

⑥ دَفْنُ الْبَنَاتِ مِنَ الْمَكْرُمَاتِ.

''بیٹیوں کو دفنانا باعث عزت ہے۔''

(سلسلة الأحاديث الضعيفة، حديث:186)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ یہ حدیث نصوص شرعیہ کے سخت خلاف ہے۔ قرآن مجید تو بیٹی کو زندہ درگور کرنے والے کو سخت مجرم قرار دیتا ہے۔ اور یہاں اسے باعزت پیشہ باور کرایا جارہا ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل بیٹیوں کو زندہ دفنا دینا باعث عزت وفخر سمجھا جاتا تھا اور بیٹیوں کی پیدائش اور موجودگی ننگ و عار کا باعث تھی۔ آپ ﷺ نے انھیں بیٹی کی عظمت سے آگاہ فرمایا، اس کے لیے آپ ﷺ ہر اہم موقع پر بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی حوصلہ شکنی کرتے رہے اور بیٹیوں کی اچھی پرورش اور ان کے ساتھ حسن سلوک پر جنت کی نوید سناتے رہے، مثلاً آپ کا فرمان عالی ہے: «مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ فَأَدَّبَهُنَّ وَزَوَّجَهُنَّ وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ» ''جس نے تین بیٹیوں کی پرورش کی، ان کی تعلیم وتربیت کی، ان کی شادیاں کیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔'' (سنن أبي داود: 5147)

اور یہاں آپ کی تعلیمات کے علی الرغم بیٹیوں کے استحصال کو باعث عزت قرار دیا جارہا ہے، اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔

⑦ عورتیں شیطان کا جال ہیں۔

یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ تفصیلی روایت اس طرح سے ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے کہا: میرے رب! آدم کو نیچے اتار دیا گیا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ ان کے لیے (ان کی اولاد کے لیے) کتابیں اور رسول ہوں گے۔ تو ان پر کون کون سی کتابیں اور رسول بھیجے جائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے رسول فرشتے اور انھی میں سے انبیاء ہوں گے اور ان کی کتابیں تورات، انجیل، زبور اور فرقان ہوں گی۔ شیطان نے کہا: میری کتاب کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیری کتاب وشم (سوئی سے گدائی اور اس میں نیلا یا ہرا رنگ بھرنے کا نشان) ہے۔ اور تیرا قرآن شعر ہے اور تیرے رسول کاہن ہیں۔ اور تیرا کھانا ہر وہ چیز ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ اور ہر نشہ آور چیز تیرا پینا ہے اور جھوٹ تیری سچائی ہے اور حمام تیرا گھر اور عورتیں تیرے جال ہیں اور باجا تیرا مؤذن ہے اور بازار تیری مسجدیں ہیں۔ (سلسلة الأحاديث الضعيفة، حديث: 1564)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے، سوائے اس جملے کے ''اور تیرا کھانا ہر وہ چیز ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو'' یہ جملہ دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اس حدیث کا یہ جملہ ''عورتیں شیطان کا جال ہیں'' ہمارے ہاں بڑا معروف اور مشہور ہے۔ عورت کی معمولی سی لغزش پر اس پر یہ محاورہ کس دیا جاتا ہے۔ یہ طرز عمل درست نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق شیطان انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ اور اس میں مرد اور عورت کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ جو بھی حکم الٰہی کو پس پشت ڈال کر شیطان کی پیروی کرتا ہے، وہ اسے جال کے طور پر استعمال کرتا ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

⑧ لَيْسَ لِلنِّسَاءِ سَلَامٌ وَلَا عَلَيْهِنَّ سَلَامٌ.

وائرس سے بچاؤ کی احتیاطی تدابیر

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اگر معاشرے میں کوئی وائرس یا بیماری پھیلنے کے خدشات ہوں تو اس وائرس یا بیماری کے آنے سے پہلے ہی احتیاطی تدابیر اختیار کرنا توکل کے منافی ہے۔ لہٰذا ہمیں اللہ پر توکل کرنا چاہیے اور کسی بھی قسم کی احتیاطی تدابیر اختیار نہیں کرنی چاہییں۔

یہ سوچ بالکل باطل اور قرآن وسنت کے منافی ہے۔ اسی طرح توکل کا یہ معنی ومفہوم بھی شرعی تعلیمات کے منافی ہے۔ اصل توکل اسباب کو اختیار کرنے کے بعد ہے نہ کہ اسباب اختیار کرنے کے بغیر۔ اللہ تعالیٰ خود احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے۔ وضاحت کے لیے قرآن اور حدیث سے صرف ایک ایک مثال بیان کرتے ہیں:

① اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اگر کوئی شخص بیمار ہو اور وہ وضو یا غسل میں پانی استعمال کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تو وہ مٹی کے ساتھ تیمّم کرلے۔'' (المآئدة 6:5) یعنی اگر پانی کے استعمال سے بیماری کے بڑھنے کا اندیشہ ہو تو احتیاطی تدبیر اختیار کرو اور پانی کی جگہ مٹی استعمال کرلو۔

② ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''میں اپنے اونٹ کو پہلے باندھ دوں اور پھر توکل کروں یا اسے کھلا چھوڑ دوں اور توکل کروں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے اسے باندھو (یعنی احتیاطی تدبیر اختیار کرو) اور پھر توکل کرو۔'' (جامع الترمذي: 2517)



''نہ عورتیں سلام کہیں اور نہ ان کو سلام کہا جائے۔'' (سلسلة الأحاديث الضعيفة، حديث: 1430)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔ یہ حدیث بھی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ قرآنی حکم عام ہے: ﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً﴾ ''پھر جب تم (اپنے) گھروں میں داخل ہوتو اپنے لوگوں کو سلام کہو، (یہ) زندہ رہنے کی دعا ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر کی ہوئی بابرکت، پاکیزہ ہے۔'' (النور 61:24)

قرآن مجید نے گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کہنے کا حکم دیا ہے اور گھر میں عام طور پر عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان کو سلام کہنا چاہیے۔ سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہم عورتوں کی جماعت کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے ہمیں سلام کیا۔ (سنن أبي داود: 5204) شارحین حدیث کا کہنا ہے کہ اگر فتنے اور شبے کا اندیشہ نہ ہوتو اجنبی عورتوں کو سلام کہنا سنت ہے۔ بالخصوص قوم کے بڑوں اور بزرگوں کے لیے یہ ایک مستحب عمل ہے۔

⑨ نِعْمَ الْخَتَنُ الْقَبْرُ.

''بہترین داماد قبر ہے۔'' (محاضرات الأدباء: 148/1)

یہ حدیث بھی اسی موضوع (من گھڑت) حدیث کی تائید میں پیش کی جاتی ہے جو پیچھے گزر چکی ہے کہ ''بیٹیوں کو دفنانا باعث عزت ہے۔'' یہ دونوں روایتیں موضوع ہیں جو نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت کر کے گھڑی گئی ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ علامہ راغب اصفہانی نے اپنی کتاب ''محاضرات الأدباء'' میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان یہ رکھا ہے: فائدة موتها وتمنيه ''بیٹی کی موت کا فائدہ اور اس کی آرزو کرنا'' اس باب کی ابتدا نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب اس مذکورہ بالا جھوٹی حدیث سے کی گئی ہے۔ بعض لوگ کسی مصنف کی جلالت علمی کی وجہ سے آنکھیں بند کر کے ایسی احادیث کو صحیح مان لیتے ہیں۔ اور اسے آگے نقل کرنے لگتے ہیں۔ یہ لوگ مصادر کی درستی اور ان میں اچھے برے کی تمیز کی اہلیت نہیں رکھتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کتابوں میں درج ہر بات قابل اعتماد ہے۔ بالخصوص اگر اس کا مؤلف ایسا شخص ہو جس کا علم و دانش کی دنیا میں نام اور شہرت ہو جیسے علامہ راغب اصفہانی ہیں جو شہیر زمانہ کتابوں ''مفردات القرآن'' اور ''الذريعة إلى مكارم الشريعة'' وغیرہ کے مؤلف ہیں۔ ایسے لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بعض لوگ کسی ایک علم اور فن میں امام سمجھے جاتے ہیں، لیکن دوسرے فن میں وہ ایک عام آدمی ہوتے ہیں یا عام آدمیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کی باتوں کو قابل التفات نہیں سمجھا جاتا۔ نہ ان پر اعتماد ہی کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا یہ روایت موضوع ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید اور سنت صحیحہ کے معارض بھی ہے جس کی وضاحت پیچھے گزر چکی ہے۔

⑩ عورت سراپا شر ہے اور اس میں شر کا پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔

یہ حدیث سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ یہ قول باطل اور بے اصل ہے۔ شیخ یوسف القرضاوی حفظہ اللہ نے اپنی کتاب ''فتاویٰ معاصرہ'' میں اس قول کے باطل ہونے کی تفصیل لکھی ہے۔ کس قدر ظلم کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ تو نیک بیوی کو «خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا» ''دنیا کی بہترین متاع'' قرار دیتے ہیں اور یہاں بلاتخصیص عورت کی رفاقت ومعیت کو شر کا ایک پہلو قرار دیا جارہا ہے۔ اس سے بڑی ناانصافی اور کیا ہوگی!

یہ تھا ہمارے معاشرے میں عورتوں سے متعلق گردش کرتی بعض جھوٹی روایات کا حال۔ ہمارے خیال میں اس طرح کی روایات بیان کرنے سے عورت کی تحقیر نہیں ہوتی بلکہ اسلام کی تحقیر ہوتی ہے۔ کیونکہ اسلام ہی نے عورت کو عظمت و رفعت کی یہ حسین چادر عطا کی ہے جو ان کج فہموں اور ستم ظریفوں کو گوارا نہیں ہے اور وہ اس طرح کی من گھڑت روایات بیان کر کے دختر اسلام کی عظمت کی اس حسین چادر کو تار تار کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ایسے ستم گر یہ یاد رکھیں کہ علمائے حق انھیں اس مذموم مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے:

نور خدا کفر کی حرکت پہ ہے خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

❁❁❁❁



ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر

تحفے کا کمال

خوبصورت غباروں اور رنگ برنگی جھنڈیوں سے ڈرائنگ روم سجا ہوا تھا۔ ڈرائنگ روم کے درمیان میں بڑی سی میز پر تحائف کے بے شمار پیکٹ پڑے ہوئے تھے۔

آج کامران کی آٹھویں جماعت میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے کی خوشی پر تقریب تھی۔ دور نزدیک کے تمام رشتہ دار اور عزیز و اقارب جمع تھے۔ تقریب شروع ہونے سے ذرا پہلے کامران کے دادا جان، اُس کے ابو، عثمان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو سب لوگوں نے ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ کامران کے دادا جان کے ہاتھ میں بھی ایک خوبصورت پیکٹ موجود تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ کامران کے دادا جان اور ابو کے آتے ہی تقریب شروع ہوجائے گی۔ لیکن دادا جان نے کہا کہ تقریب سے پہلے میں آپ لوگوں کو اس تحفے کے حوالے سے کچھ باتیں بتانا چاہتا ہوں۔

''یہ اُن دنوں کی بات ہے..... دادا جان نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا: کامران کے ابو اور میرے بیٹے عثمان کی عمر اُس وقت بارہ سال تھی۔ میں اپنی دفتری مصروفیات کی وجہ سے اکثر دیر سے گھر آیا کرتا تھا۔ اس لیے عثمان سے زیادہ ملاقات کا موقع کم ہی ملتا تھا۔ وقت ایسے ہی گزر رہا تھا کہ ایک دن عثمان کی امی نے کہا کہ آپ کی دفتری مصروفیات اور گھر کے معاملات میں کم دلچسپی کی وجہ سے عثمان بگڑتا جارہا ہے، اور اس کی عادتیں بھی خراب ہورہی ہیں۔ گھر میں معمولی معمولی باتوں پر ناراض ہوجاتا ہے اور گھر سے باہر گلی محلے میں اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرتا رہتا ہے۔ میں نے جب یہ سُنا تو مجھے جھٹکا سا لگا کہ میری عدم توجہی کی وجہ سے عثمان بگڑتا جارہا ہے۔

اگلے روز میں دفتر پہنچا تو میرا دل کوئی کام کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میرے قریبی ساتھی اور دوست حامد صاحب نے پوچھا کہ آج آپ خلافِ معمول خاموش کیوں ہیں، اور دفتری کاموں میں دلچسپی کیوں نہیں لے رہے؟ میں نے بات کو ٹالنا چاہا، لیکن حامد صاحب نے کہا کہ وہ پوچھے بغیر نہیں رہیں گے۔ اُن کے اصرار پر میں نے بتایا کہ دفتری مصروفیات کی وجہ سے میں گھر کے معاملات پر توجہ نہیں دے سکا، جس کی وجہ سے میرا بیٹا بُری عادتوں کا شکار ہوگیا ہے۔ اس لیے میں سخت پریشان ہوں کہ اس مسئلے کا حل کیسے نکالوں۔



''بس اتنی سی بات ہے۔'' حامد صاحب نے یہ جملہ ایسے کہا، جیسے یہ کوئی مسئلہ ہی نہ ہو۔ میں کل آپ کو ایک چیز لاکر دوں گا، وہ اپنے بچے کو بطور تحفہ دیں۔ کیونکہ تحفہ آپس میں محبت اور پیار کو فروغ دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔ پیارے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''ایک دوسرے کو تحفہ دیا کرو، اس سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔'' مجھے اُمید ہے کہ اس تحفہ کے بعد وہ بتدریج بُری عادتوں کو چھوڑ کر بہت اچھا بچہ بن جائے گا۔

اگلے روز حامد صاحب نے مجھے لفافے میں بند ایک چیز لاکر دی، جس کا انھوں نے وعدہ کیا تھا۔ دفتری مصروفیات سے فارغ ہوکر شام کو گھر پہنچا تو عثمان کو اپنی چھوٹی بہن فائزہ سے لڑتے ہوئے دیکھا۔ میں نے دونوں کو لڑائی سے منع کیا اور عثمان کو اپنے کمرے میں لے جاکر سمجھایا کہ اپنے سے چھوٹے بچوں سے لڑنے جھگڑنے کی بجائے اُن سے پیار کرنا چاہیے۔ لوگ ہمیشہ اچھے بچوں کو پسند کرتے ہیں اور بُروں سے نفرت کرتے ہیں۔

عثمان یہ سب کچھ سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے صرف ''ہوں، ہاں'' کہہ رہا تھا۔

میری بات مکمل ہوتے ہی وہ کمرے سے باہر جانے لگا تو میں نے حامد صاحب کا پیکٹ عثمان کو دینے کے لیے میز سے اٹھا ہی تھا کہ عثمان کی امی کمرے میں داخل ہوئیں۔ انھوں نے مجھے مخاطب کرکے کہا کہ آج تو آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ عثمان اپنی چھوٹی بہن سے لڑ رہا تھا۔ اسی طرح یہ گلی محلے میں بھی بچوں سے لڑتا رہتا ہے۔ عثمان کا کچھ کریں، یہ دن بہ دن بگڑتا جا رہا ہے۔

میں نے عثمان کی امی کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے عثمان کو اپنی گود میں لے لیا، اور پیار کرنے لگا۔ عثمان کو بہت اچھا لگ رہا تھا کہ میں اُسے پیار کر رہا تھا۔ اسی دوران میں نے حامد صاحب کا دیا ہوا پیکٹ اُسے دیتے ہوئے کہا کہ یہ تحفہ تمھارے حامد انکل نے دیا ہے۔ اسے اپنے کمرے میں لے جاکر کھولنا۔

چند دنوں کے بعد عثمان کی امی نے مجھے بتایا کہ عثمان کی عادتوں میں تبدیلی آرہی ہے۔ اب وہ گھر اور باہر لڑائی جھگڑوں میں بہت کم حصہ لیتا ہے، اور زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں لکھنے پڑھنے میں گزارتا ہے۔ مجھے یہ سُن کر بے حد خوشی ہوئی کہ حامد صاحب کے تحفے نے اثر دکھانا شروع کر دیا ہے۔

دِن اسی طرح گزرتے رہے، یہاں تک کہ عثمان تمام بُری عادتیں چھوڑ کر بہت اچھا بچہ اور ہونہار طالبِ علم بن گیا۔ پھر وہ وقت آیا جب عثمان کو ایف ایس سی میں نمایاں نمبروں کی وجہ سے میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا۔ چند سال بعد، عثمان میڈیکل کالج کے امتحان پاس کرکے ڈاکٹر بن گیا۔ عثمان نے اسی پر اکتفا نہ کیا، بلکہ دل کے امراض کے شعبہ میں خصوصی مہارت حاصل کرنے کے لیے اعلیٰ تعلیم کی غرض سے بیرون ملک چلا گیا۔ کئی سال کے بعد جب وہ امراضِ قلب کی جدید تعلیم مکمل کرکے واپس آیا تو اُس نے ایک چھوٹے سے کلینک سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ دن رات کی محنت اور لگن سے وہ بہت جلد ملک کا مشہور ماہر امراضِ قلب بن گیا۔ غریب اور ضرورت مند مریضوں کا مفت علاج کرنے کی وجہ سے آج عثمان امیر و غریب سب کے لیے ہر دلعزیز بن چکا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور میرے دوست حامد صاحب کی جانب سے عثمان کو دیے ہوئے تحفے کا کمال ہے۔'' دادا جان نے تفصیل سے بتایا۔

''وہ کون سا تحفہ تھا؟'' حیرت بھرے انداز میں ایک ساتھ کئی آوازیں اُبھریں۔

''وہی تحفہ آج میں عثمان کے بیٹے اور اپنے پوتے کامران کو اس کی امتحان میں نمایاں کامیابی پر اس خواہش اور تمنا کے ساتھ دے رہا ہوں کہ تعلیمی میدان میں وہ اپنے باپ عثمان سے بڑھ کر لائق اور ذہین بنے، اور پاکستان کا نام دنیا بھر میں روشن کرے.....۔''

دادا جان سانس لینے کے لیے رُکے تو ڈرائنگ روم میں ایسی خاموشی چھا گئی، جیسے تمام لوگوں کی سانسیں رُک گئی ہوں۔

''وہ تحفہ.....'' دادا جان، ڈرائنگ روم میں چھائی ہوئی خاموشی کو توڑتے ہوئے تحفے کا خوبصورت پیکٹ کھولنے لگے۔ وہ جیسے جیسے پیکٹ کھول رہے تھے، ویسے ہی لوگوں کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ آخرکار پیکٹ کھلا تو سب نے دیکھا کہ دادا جان کے ہاتھ میں دارالسلام پبلشرز کی سیرت النبی ﷺ پر شائع شدہ دلچسپ اور خوبصورت کتاب ''سب سے سچی کہانی'' کا تحفہ تھا۔

❁❁❁❁



ایران

سرزمینِ فارس میں خیر و شر کی آویزش کے 3000 برس

محسن فارانی

قسط:3 (آخری)

صفوی شیعیت اور نادر شاہ

صفوی خاندان کے عہد (1502ء تا 1736ء) میں ایران ایک کٹر شیعہ مملکت بن گیا تھا۔ نادر شاہ (47-1736ء) نے تاج و تخت اس شرط پر قبول کیا تھا کہ ایرانی ان شیعہ رسموں کو ترک کر دیں جو اسمٰعیل اول صفوی نے جاری کی تھیں اور امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی روحانی سرپرستی میں اہل سنت والجماعت کا ایک پانچواں مسلک قائم کر لیں، چنانچہ نادر شاہ نے کوشش کی کہ جعفری مسلک کو تسلیم کر کے اس کے پیروکاروں کے لیے حرم کعبہ میں پانچواں مصلیٰ مہیا کیا جائے مگر عثمانی خلیفہ نے اس کا یہ مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار محرم 1160ھ/ جنوری 1747ء کے معاہدے میں نادر شاہ نے اپنی مذہبی شرائط سے دست بردار ہو کر سلطان ترکی کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا۔ جولائی 1747ء میں نادر شاہ کے قتل پر اس کا باغی بھتیجا علی قلی میرزا بادشاہ بن گیا۔

قاچار بادشاہت کا دور

زند بادشاہت (96-1750ء) کے بعد ایران میں قاچار خاندان کی حکمرانی کا آغاز ہوا۔ قاچار استرآباد (شمال مشرقی ایران) کے ایک ترکمان قبیلے سے تھے۔ آغا محمد خاں قاچار نے 1796ء میں زندیوں سے حکومت چھین لی۔ اس کے جانشین فتح علی شاہ (1797 تا 1834ء)، محمد شاہ (48-1834ء)، ناصر الدین شاہ (96-1848ء) مظفر الدین شاہ (1896 تا 1907ء) اور احمد شاہ (25-1909ء) تھے۔ 1828ء میں روس نے معاہدہ ترکمان چائی کے تحت شمالی آذربائیجان اور جارجیا ایران سے ہتھیا لیے۔

باب اور بہاء اللہ کی جعلی نبوت

ناصر الدین شاہ کے عہد میں ایران میں محمد علی باب کی بابی تحریک میں سرگرم بہاء اللہ (میرزا حسین علی نوری) مدعی نبوت نے بہائی مذہب ایجاد کیا۔ 1852ء میں باب کی پیروکار قرۃ العین طاہرہ کو جو قادر الکلام شاعرہ تھی، سزائے موت دی گئی۔ بہاء اللہ نے 1867ء میں نبی (باب کے الفاظ میں من یظھرہ اللہ) ہونے کا دعویٰ کیا۔ وہ 1848ء میں بغداد چلا گیا تھا جہاں سے اسے قسطنطنیہ اور ادرنہ لے جایا گیا۔ اس نے عکّا (فلسطین) میں 1892ء میں بحالتِ قید وفات پائی۔ تب سے عکّا بہائیوں کا قبلہ ہے۔ بہائی پیروکار بابی تقویم کے مطابق 2 مارچ سے 20 مارچ تک 19 روزے رکھتے ہیں۔ وہ سال میں پانچ عیدیں مناتے ہیں: ① عیدِ رضوان (ظہور بہاء اللہ) ② عیدِ بعثتِ باب ③ عیدِ میلادِ بہاء اللہ ④ عیدِ میلادِ باب ⑤ عیدِ نوروز (21 مارچ)

ایران میں تمباکو حرام ٹھہرا

مظفر الدین قاچار صبح اٹھتے ہی حقہ پینے کا عادی تھا۔ ایک صبح اس نے حقہ طلب کیا تو خادم نے عرض کی: عالیجاہ! اب حقہ نہیں ملا کرے گا کیونکہ مجتہد اعظم نے فتویٰ دے دیا ہے کہ تمباکو حرام ہے۔ یاد رہے تمباکو کا پودا براعظم امریکہ میں اگتا تھا اور میکسیکو میں کاشت ہوتا تھا۔ کولمبس کے امریکہ پہنچنے (1492ء) کے بعد ہی یہ پودا یورپ پہنچا اور پرتگالیوں کے ذریعے اکبری عہد میں ہندوستان وارد ہوا۔

روسی و برطانوی تسلط اور پہلوی اقتدار

1872ء میں برطانیہ، ایران اور افغانستان کے وفد حد بندی نے افغانستان اور بلوچستان کے ساتھ مشرقی سرحدوں کا تعین کر دیا اور سیستان ایران اور افغانستان میں بٹ گیا۔



1907ء میں روس اور برطانیہ نے شمالی اور جنوبی ایران کو اپنے اپنے حلقۂ اثر میں لے لیا۔ مارچ 1908ء میں ایران میں تیل دریافت ہوا۔ 1925ء میں سابق وزیر جنگ اور نئے وزیر اعظم رضاخاں نے مجلس ملّی کے فیصلے سے پہلوی کا لقب اختیار کرکے شاہنشاہ ایران ہونے کا اعلان کردیا۔ دوسری جنگ عظیم میں اگست 1941ء میں روسی و برطانوی فوجیں ایران میں داخل ہوگئیں اور رضاشاہ اپنے بیٹے محمد رضا کے حق میں دست بردار ہوگیا۔ 1946ء میں برطانوی، امریکی اور روسی فوجیں ایران سے نکل گئیں۔

امریکی اثرات اور بادشاہت کا خاتمہ

دوسری جنگ عظیم کے بعد ایران میں امریکی اثرات غالب آئے۔ 1953ء میں وزیراعظم محمد مصدق نے تیل کی صنعت قومی ملکیت میں لے لی تو محمد رضا شاہ ملک سے باہر چلا گیا اور پھر امریکی سی آئی اے کی مدد سے جنرل زاہدی نے مصدق کا تختہ الٹ کر شاہ ایران کا اقتدار بحال کرایا۔ محمد رضاشاہ پہلوی کے دور میں ایرانی خفیہ پولیس ''ساوک'' کی دہشت گردی عروج پر رہی۔ شاہ نے علاقے میں امریکی تھانیدار کا رول ادا کیا۔ ایران امریکی برطانوی چھتری تلے فوجی معاہدہ سینٹو (معاہدہ بغداد) میں شامل رہا۔ پاکستان اور ترکی بھی اس کے رکن تھے، البتہ عراق 1958ء میں اس معاہدے سے نکل گیا تھا۔

خمینی اور انقلاب ایران

آیت اللہ خمینی ایران کے شہر خمین میں 1902ء میں پیدا ہوئے۔ 1927ء میں قُم سے اجتہاد کی سند حاصل کی جس کے بعد انھوں نے درس دینا شروع کردیا۔ وہ شاہ ایران کے غیر اسلامی اقدامات پر سخت تنقید کرتے تھے، چنانچہ 1963ء میں ان کو جلاوطن کردیا گیا۔ وہ عراق سے شاہ ایران کے خلاف تحریک کی رہنمائی کرتے رہے۔ 6 اکتوبر 1978ء کو انھیں عراق سے نکال دیا گیا۔ آیت اللہ خمینی اب فرانس چلے گئے اور وہاں سے شاہ مخالف تحریک کی قیادت کرتے رہے۔ 16 جنوری 1979ء کو شاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی ملک چھوڑنے پر مجبور ہوگیا۔ 11 فروری 1979ء کے شیعی انقلاب کے نتیجے میں ایران کو اسلامی جمہوری ایران بنادیا گیا۔ بے شمار شاہ پرستوں کو سزائے موت دی گئی، ان میں جنرل زاہدی کا بیٹا اور سابق وزیراعظم ارد شیر زاہدی بھی شامل تھا۔ 88-1980ء کی عراق ایران جنگ میں دس لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ جون 1989ء میں خمینی نے وفات پائی۔ اس وقت سے علی خامنائی رہبرِ انقلاب ہیں۔

ایران کے مشاہیر

امام مسلم رحمہ اللہ

ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری 202ھ/817ء میں نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ وہ حدیث اور فقہ کے عالم بے بدل تھے۔ ان کی تالیف الجامع الصحیح حدیث کی معتبر ترین کتب میں شمار ہوتی ہے، چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو ملا کر صحیحین کہا جاتا ہے۔ امام مسلم نے 261ھ/875ء میں نصر آباد نزد نیشاپور میں وفات پائی۔

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ

ابوعبداللہ محمد بن یزید ربعی قزوینی بن ماجہ قزوین میں 209ھ/824ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار اکابر محدثین میں ہوتا ہے۔ کتب ستہ میں سنن ابن ماجہ ان کی مشہور تالیف ہے۔ وہ 273ھ/886ء میں فوت ہوئے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ

سلیمان بن اشعث بن اسحٰق ازدی سجستانی 202ھ/817ء میں پیدا ہوئے۔ وہ سجستان (سیستان) کے رہنے والے تھے۔ وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے شاگرد تھے اور انھوں نے بہت سے اور محدثین سے بھی کسبِ فیض کیا۔ بصرہ میں مقیم رہ کر وہیں 275ھ/888ء میں وفات پائی۔ سنن ابی داؤد بھی کتب ستہ میں مشہور کتاب ہے۔

امام طبری رحمہ اللہ

ابوجعفر محمد بن جریر الطبری مورخ، مفسر اور شافعی فقیہ تھے۔ وہ آمل (طبرستان) میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں مقیم رہے اور وہیں 310ھ/923ء میں وفات پائی۔ ان کی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن مشہورِ زمانہ ہے۔

کلینی

ابوجعفر محمد بن یعقوب رازی کلینی (متوفی 329ھ/941ء) شیعی محدث، فقیہ اور کتاب الکافی کے مصنف تھے۔

اصطخری

ابواسحٰق ابراہیم (متوفی 957ء) مشہور جغرافیہ دان اور سیاح تھے۔ صور الاقالیم اور المسالك والممالك ان کی اہم تصانیف ہیں۔



امام غزالی رحمہ اللہ

حجۃ الاسلام ابوحامد محمد غزالی 450ھ/1058ء میں طوس میں پیدا ہوئے۔ وہ امام الحرمین ابو المعالی جوینی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ غزالی مدرسہ نظامیہ بغداد میں پڑھتے رہے۔ احیاء علوم الدین اور اس کا فارسی خلاصہ کیمیائے سعادت اور تہافت الفلاسفہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ غزالی 505ھ/1111ء میں فوت ہوئے۔

فردوسی طوسی

فردوسی (932ء-1020ء) فارسی کے بہت بڑے شاعر تھے۔ سلطان محمود غزنوی کے دربار (غزنہ) سے وابستہ رہے۔ ان کی منظوم رزمیہ تصنیف ''شاہنامہ'' بہت مشہور ہے۔

ابوبکر رازی

ابوبکر محمد بن زکریا رازی (864ء-923ء) مشہور مسلمان طبیب اور فلسفی تھے۔ وہ رَے میں پیدا ہوئے۔ الحاوی ان کی معروف طبی تصنیف ہے۔ ابوبکر رازی بیمارستان (رَے) اور بیمارستان (بغداد) نامی شفاخانوں کے منتظم رہے۔ ''رے'' میں فوت ہوئے۔ انھوں نے جالینوسِ عرب کا لقب پایا تھا۔

ربن الطبری

علی بن سہل بن ربن الطبری (785ء-861ء) نسطوری عیسائی طبیب تھے جو طبرستان میں سلطان مازیار کے کاتب (سیکرٹری) تھے۔ پھر وہ سامراء آکر عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ کے مصاحب بنے اور 855ء کے لگ بھگ اسلام قبول کرلیا۔ فردوس الحکمۃ اور الرّد علی النصاریٰ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ

امام فخرالدین رازی رے میں پیدا ہوئے اور 606ھ/1210ء میں ہرات میں فوت ہوئے۔ ان کی تفسیر قرآن التفسیر الکبیر مشہور ہے۔ وہ شافعی اشعری مسلک کے متکلم اور فلسفی تھے۔ امام رازی شہاب الدین غوری فاتح ہند کی جہادی مہمات میں ان کے ہمراہ رہے۔

عمر خیام

طوس میں پیدا ہونے والے عمر خیام فارسی کے مشہور شاعر، ریاضی دان اور ماہر فلکیات تھے۔ ان کی تصانیف مشکلات الحساب، الجبرو المقابلہ اور رباعیات مشہور ہیں۔ انھوں نے شمسی تقویم بھی ترتیب دی۔ عمر خیام نے 1132ء میں وفات پائی۔

حسن بن صباح اور اسمٰعیلی

حسن بن صباح طوس (ایران) میں پیدا ہوا۔ وہ عمر خیام کا ہم درس تھا، مصر جا کر عبیدی (فاطمی) خلفاء کے دربار سے منسلک ہُوا جو اولادِ فاطمہ سے ہونے اور اسمٰعیل بن جعفر صادق کے سلسلۂ امامت سے تعلق رکھنے کے دعویدار تھے۔ جب اسمٰعیلی امامت کے سلسلے میں 1094ء میں نزاع پیدا ہوا اور خلیفہ مستعلی نے بڑے بھائی نزار کو قتل کرادیا تو نزار کا حامی حسن بن صباح مصر سے بھاگ کر قلعہ الموت (شمالی ایران) میں آ مقیم ہوا اور یہاں نزاری اسمٰعیلیوں کا مرکز قائم کرلیا۔ اس نے وہاں مہتدی بن ہادی بن نزار کی پرورش کی۔ حسن بن صباح نے 518ھ/1124ء میں وفات پائی۔ 557ھ/1162ء میں مہتدی اسمٰعیلی کا بیٹا القاہر حسن الموت میں تخت نشین ہوا۔ 654ھ/1256ء میں ہلاکو خاں کے ہاتھوں قلعہ الموت تباہ ہوا تو اس کے بعد اسمٰعیلیوں کے فرقے داؤدی، بوہرہ اور آغا خانی وجود میں آئے۔ آغا خاں اول حسن علی شاہ محمد شاہ قاچار کے عتاب سے بچ کر ایران سے سندھ چلے آئے تھے۔ اور فتح سندھ میں جنرل نیپئر کا ساتھ دیا۔ آغا خاں دوم علی شاہ اور آغا خاں سوم سر سلطان محمد شاہ کے بعد اب آغا خاں چہارم پرنس کریم ہیں۔

سعدی شیرازی اور حافظ شیرازی

شیخ سعدی (1189ء تا 1291) جامعہ نظامیہ (بغداد) کے فارغ التحصیل تھے۔ ان کی فارسی تصانیف بوستان اور گلستان اور شعری دیوان مشہور ہیں۔ حافظ شیرازی (متوفیٰ 1389ء) فارسی کے بے بدل غزل گو تھے۔ دیوانِ حافظ مشہور زمانہ ہے۔

ایران کے مشہور مقامات

تختِ سلیمان (تختِ جمشید) اور اصطخر

یہ آثار تخت جمشید (نزد شیراز) میں واقع ہیں۔ 2003ء میں انھیں عالمی آثار قدیمہ میں شامل کیا گیا ہے۔ تخت جمشید (Persipolis) ہخامنشی خاندان کے حکمرانوں کا پہلا دارالسلطنت تھا۔ پاکستان میں کوہ سلیمان کی بلند ترین چوٹی کا نام بھی تخت سلیمان ہے۔ سکندر اعظم کے حملے میں تخت جمشید تباہ ہوا تو اس کے کھنڈروں سے اصطخر تعمیر ہوا جو ساسانیوں کا پہلا دارالحکومت ٹھہرا (دوسرا دارالحکومت مدائن بنا)۔ اصطخر



(پارسہ گرد Pasargade) تختِ جمشید کے شمال میں دشتِ مرغاب میں واقع ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں اہلِ اصطخر نے بغاوت کی تو صمصام الدولہ بُویہی شیعی کی فوج نے تاخت و تاراج کر کے اس شہر کو کھنڈر بنا دیا۔

شیراز

آبادی کے لحاظ سے شیراز ایران کا پانچواں بڑا شہر ہے۔ یہ صوبہ فارس کا دارالحکومت ہے۔ یہ شہر پھولوں اور باغات کے لیے مشہور ہے۔ ان میں باغِ ارم بہت شہرت رکھتا ہے۔ یہ دومنزلہ باغ بہت مسحور کن نظارہ پیش کرتا ہے۔ اس کے وسط میں ایک گیلری تعمیر کی گئی ہے جہاں سے پورے باغ کا منظر دیکھا جاسکتا ہے۔ اس شہر میں چھ ہزار کے قریب یہودی رہائش پذیر ہیں۔

اصفہان

یہ ایران کا تیسرا بڑا شہر اور صوبہ اصفہان کا دارالحکومت ہے۔ ماضی میں یہ سلجوقیوں اور صفویوں کا دارالسلطنت رہا۔ اس کی آبادی پندرہ لاکھ سے زائد ہے۔ اصفہان کا میدان نقش جہاں عالمی ثقافتی درجہ رکھتا ہے۔ اس شہر میں اسلامی طرزِ تعمیر کے بے شمار نمونے ہیں۔ اپنے عروج کے دور میں اسے اصفہان نصف جہان کہا جاتا تھا۔

تہران

تہران، اسلامی جمہوری ایران کا دارالحکومت ہے۔ یہ ایران کا سب سے بڑا اور دنیا میں سولھواں بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی 80 لاکھ سے زائد ہے۔ اکثر بڑی بڑی صنعتیں اور کارخانے تہران میں ہیں۔ یہ شہر قالینوں کی فروخت کا اہم ترین مرکز ہے۔ یہاں تیل صاف کرنے کا کارخانہ بھی ہے۔

ایرانی کھانے

ایرانیوں کے دسترخوان پر کھانوں کی بہت سی اقسام ہوتی ہیں:

چیلو کباب

چیلو کباب ایران کی قومی ڈش ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل اقسام بہت مشہور ہیں: برگ، کوبیدہ، شیش جوجی، شاشلک، سلطانی، چینجی۔

خورشت

یہ گوشت کا شوربا ہے جو باسمتی چاولوں کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

پلاؤ

یہ سفید چاول اور گوشت یا سبزیوں کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے، اس کی کئی اقسام ہیں، مثلاً: لوبیا پلاؤ، البالو پلاؤ، سبزی پلاؤ، زرشک پلاؤ، بغالی پلاؤ وغیرہ۔

آش

یہ ایک قسم کا گاڑھا سوپ ہے مثلاً آشِ انار۔

عالمِ اسلام کی دوسری ایٹمی طاقت

پاکستان اسلامی دنیا کی پہلی ایٹمی طاقت ہے۔ ایران بھی پرامن ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کے لیے مسلسل کوشاں ہے۔ اس سلسلے میں اس کو بین الاقوامی سطح پر مختلف قسم کی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ان ناجائز پابندیوں کے باوجود ایران ایٹمی صلاحیت کے حصول کے حق سے دست بردار نہیں ہوا۔ اطلاعات کے مطابق ایران ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کے قریب پہنچ چکا ہے۔

ایران کے صوبے

ایران 31 صوبوں (اُستانوں) میں منقسم ہے۔ ہر اُستان کا حاکم اعلیٰ استاندار (گورنر) کہلاتا ہے۔ ہر استان چند شہرستانوں میں منقسم ہے جس کے حاکم کو فرمان دار کہا جاتا ہے۔ ہر شہرستان متعدد بخشوں (اضلاع) اور ہر بخش دہستانوں میں بٹا ہوا ہے جن کے حاکم بالترتیب بخش دار اور دہ دار کہلاتے ہیں۔

معدنی اور زرعی پیداوار

ایران کی اہم زرعی پیداوار میں گندم، چاول، گنا، کپاس، روغنی بیج، چائے، دالیں، زعفران اور تمبا کو شامل ہیں۔ پھلوں میں انگور، بادام اور پستہ قابل ذکر ہیں۔ افیون بھی اہم پیداوار ہے۔ معدنی پیداوار میں تیل، گیس، پارہ، باکسائٹ، کرومائٹ، کوئلہ، کوبالٹ، تانبا، سیسہ، قلعی، جست، میگنیشیم وغیرہ شامل ہیں۔ تیل کے ذخائر کے لحاظ سے ایران دنیا میں تیسرے درجے پر اور گیس کے ذخائر میں اول درجے پر ہے۔ جبکہ تیل کی برآمد کے لحاظ سے دوسرے درجے پر آتا ہے۔ بحیرہ خزر (کیسپین) اور خلیج فارس سے مچھلی پکڑی جاتی ہے۔

جھوٹ بولنا ایک اخلاقی جرم ہے جس کی شناعت و قباحت اسلامی تعلیمات سے واضح ہے۔ جھوٹ کی بدترین قسم اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس پر جھوٹ بولنے والے کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ پر جھوٹ بولنا بھی ایک بہت بڑا جرم ہے۔ نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: «مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» ''جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔''

(صحيح البخاري: 1291)

مرزا غلام احمد قادیانی بھی جھوٹ کی قباحت کا قائل ہے اور بھرپور انداز میں جھوٹ کی مذمت کرتا ہے۔ اس کے چند فتوے ملاحظہ فرمائیں:

① جھوٹ بولنا مرتد ہونے سے کم نہیں۔

(روحانی خزائن: 56/17)

② جھوٹ بولنے سے بدتر دنیا میں اور کوئی کام نہیں۔ (روحانی خزائن: 459/22)

③ دروغ گو کو خدا تعالیٰ اسی جہان میں ملزم اور شرمسار کر دیتا ہے۔ (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن: 41/7)

④ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہے۔ (تتمہ حقیقة الوحی، روحانی خزائن: 581/22)

⑤ جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری باتوں میں بھی اس پر اعتبار نہیں رہتا۔ (روحانی خزائن: 231/23)

چاہیے تو یہ تھا کہ جب مرزا قادیانی مجدد، مسیح، مہدی مسیح اور نبی ہونے کا دعوے دار اور جھوٹ کی قباحت سے واقف شخص تھا تو وہ خود بھی جھوٹ بولنے سے پرہیز کرتا اور اپنے مریدوں کے لیے ایک اچھا نمونہ قائم کر جاتا۔ لیکن اس وقت غیر جانب دار قارئین کی حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب وہ مرزا قادیانی کی تحریروں میں کئی قسم کے جھوٹ لکھے گئے پاتے ہیں: ① اللہ تعالیٰ پر جھوٹ ② نبی کریم ﷺ پر جھوٹ ③ گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام پر جھوٹ



مرزائی اپنے وجود کے وقت ہی سے کافر ہیں مگر پاکستان میں قانونی طور پر انھیں 7 ستمبر 1974ء کو کافر قرار دیا گیا۔ ان کے کفر کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ جن میں سے ایک پہلو زیر نظر مضمون میں بیان کیا گیا ہے۔ (ایڈیٹر)

④ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جھوٹ ⑤ محدثین، مفسرین اور امت کے دیگر طبقات پر جھوٹ ⑥ اپنے ہم عصر لوگوں کے متعلق جھوٹ، خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب (اسلام، عیسائیت، ہندومت وغیرہ) سے ہو۔ اس طرح مرزا قادیانی پر یہ فارسی ضرب المثل صادق آتی ہے:

''چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد''

زیر نظر مضمون میں قسم ثانی کے جھوٹ جمع کر کے ان کا مختصر ''رد'' کیا گیا ہے۔ واللہ الموفق والمعین

جھوٹ ①: آسمان سے اترنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ سچ مچ خاکی وجود آسمان سے اترے بلکہ صحیح حدیثوں میں تو آسمان کا لفظ بھی نہیں ہے۔

(ازالہ اوھام، روحانی خزائن: 132/3)

جھوٹ ②: ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملے گی جو مسیح ابن مریم کا زندہ بجسدہ العنصری آسمان کی طرف اٹھایا جانا بیان کرتی ہو۔

(ازالہ اوھام، روحانی خزائن: 319/3)

مرزا قادیانی نے یہ بات روحانی خزائن جلد 22، حاشیہ ص: 43 اور بعض دیگر کتب میں بھی لکھی ہے۔

تردید: مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے



اپنی کتاب ''حیات عیسیٰ علیہ السلام'' میں کم از کم تین احادیث لکھی ہیں جن میں آسمان کا لفظ واضح طور پر موجود ہے، خود مرزا قادیانی نے متعدد تحریروں میں عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ایک حوالہ تو چند سطروں کے بعد آ رہا ہے، دوسرا حوالہ یہ ہے: «اَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْمَسِیحَ یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ بِجَمِیعِ عُلُومِهٖ وَلَا یَاْخُذُ شَیْئًا مِّنَ الْاَرْضِ مَالَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ» ''کیا لوگ نہیں جانتے کہ مسیح آسمان سے تمام علوم لے کر نازل ہوگا، وہ زمینی علوم سے حصہ نہ لے گا، لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ نہیں سمجھتے۔'' (روحانی خزائن: 409/5) مرزا کے اپنے اعتراف کے بعد اس کا حدیث سے آسمان کا لفظ دکھانے کا مطالبہ فضول ٹھہرتا ہے۔

جھوٹ ③: صحیح مسلم کی حدیث میں جو لفظ موجود ہے کہ حضرت مسیح جب آسمان سے اتریں گے تو ان کا لباس زرد رنگ کا ہوگا، اس لفظ کو ظاہری لباس پر محمول کرنا کیسا لغو خیال ہے۔ (ازالہ اوھام، روحانی خزائن:142/3)

تردید: نقل کی گئی حدیث صحیح مسلم میں موجود نہیں ہے بلکہ سنن ابی داود 4324 میں موجود ہے۔ بہر حال اس عبارت میں مرزا قادیانی کا اعتراف پایا گیا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں آسمان کا لفظ موجود ہے۔

جھوٹ ④: آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''آج کی تاریخ سے سو برس تک تمام بنی آدم پر قیامت آ جائے گی۔'' (ازالہ اوھام، روحانی خزائن:227/3)

تردید: قادیانی (جنھیں اپنے کتب خانوں اور علمی کوششوں کے پروپیگنڈے کرنے کا بہت شوق ہے) اگر حدیث کے نقل کردہ الفاظ، حدیث کی کسی کتاب سے دکھا دیں تو انھیں منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

جھوٹ ⑤: بعض پیش گوئیوں کی نسبت آنحضرت ﷺ نے خود اقرار کیا ہے کہ میں نے ان کی اصل حقیقت سمجھنے میں غلطی کھائی۔ میں پہلے اس سے چند دفعہ لکھ چکا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے صاف طور پر فرما دیا تھا کہ میری وفات کے بعد میری بیبیوں میں سے پہلے وہ مجھ سے ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے روبرو ہی بیبیوں نے باہم ہاتھ ناپنے شروع کر دیے چونکہ آنحضرت ﷺ کو بھی پیش گوئی کی اصل حقیقت سے خبر نہ تھی، اس لیے منع نہ کیا کہ یہ خیال تمھارا غلط ہے۔ (ازالہ اوھام، روحانی خزائن: 307/3) پھر جب آنحضرت ﷺ کی بیویوں نے آپ کے روبرو ہاتھ ناپنے شروع کیے تھے تو آپ کو اس غلطی پر متنبہ نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے۔ (ازالہ اوھام، روحانی خزائن471/3)

تردید: یہ حدیث صحیح مسلم: 2452 اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہے لیکن کسی کتاب کی کسی روایت میں یہ الفاظ نہیں کہ ازواجِ مطہرات نے حضور اکرم ﷺ کے روبرو اپنے ہاتھ ناپنے شروع کر دیے تھے اور حضور ﷺ نے انھیں منع نہیں کیا۔ قادیانی اپنے نبی و مسیح موعود کی تحریر کو کتب حدیث سے مِن وعَن دکھائیں اور اسے سچا ثابت کریں۔

جھوٹ ⑥: احادیث صحیحہ نبویہ پکار پکار کر کہتی ہیں کہ تیرھویں صدی کے بعد ظہور مسیح ہے۔ پس کیا اس عاجز کا یہ دعویٰ اس وقت عین اپنے محل اور اپنے وقت پر نہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ فرمودہ رسول ﷺ خطا جاوے۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن:340/5)

تردید: ان احادیث صحیحہ کی نشان دہی کہ کس کتاب میں ہیں قادیانیوں پر علمائے اسلام کا دیرینہ قرض ہے جو کہ وہ ادا نہیں کر سکے اور نہ کر سکتے ہیں۔

جھوٹ ⑦: اگر حدیث کے بیان پر اعتبار ہے تو پہلے ان حدیثوں پر عمل کرنا چاہیے جو صحت اور وثوق اور اس حدیث پر کئی درجہ بڑھی ہوئی ہیں، مثلاً صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جن میں آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی نسبت خبر دی گئی ہے، خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کی نسبت آواز آئے گی کہ هذا خلیفة الله المهدی، اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ (شهادة القرآن مندرجہ، روحانی خزائن:337/6)

تردید: صحیح بخاری کے کسی نسخہ میں هٰذا خلیفة الله المهدی کے الفاظ نہیں ہیں، اگر ہیں تو قادیانی حضرات دکھائیں۔

جھوٹ ⑧: چونکہ صحیح حدیث میں آ چکا ہے کہ مہدی موعود کے پاس ایک چھپی ہوئی کتاب ہو گی جس میں اس کے تین سو تیرہ اصحاب کا نام



درج ہوگا۔ اس لیے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ پیش گوئی آج پوری ہوگئی۔

(انجام آتھم، روحانی خزائن:11/324)

تردید: یہ روایت اہل سنت کے کسی مستند مجموعہ احادیث میں نہیں ہے۔ پھر لطیفہ کی بات یہ ہے کہ مرزا قادیانی نے اپنے دعویٰ مہدویت کی اس بے اصل روایت کے ساتھ مطابقت کے لیے تین سو تیرہ رفقاء کی ایک فہرست تیار کی جس میں 159 نمبر پر ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب کا ذکر ہے جو کہ قادیانیت سے منحرف ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ اس طرح مرزا قادیانی کی یہ فہرست جھوٹ کا پلندہ بن کر رہ گئی۔

جھوٹ ⑨: احادیث نبویہ میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کے وقت یہ انتشار نورانیت اس حد تک ہوگا کہ عورتوں کو بھی الہام شروع ہو جائے گا اور نابالغ بچے نبوت کریں گے۔

(ضرورۃ الامام، روحانی خزائن:13/475)

تردید: احادیث نبویہ میں مرزا قادیانی کا یہ اتنا واضح جھوٹ ہے کہ اس کی تردید کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

جھوٹ ⑩: ہمارا حج تو اس وقت ہوگا جب دجال بھی کفر اور دجل سے باز آ کر طواف بیت اللہ کرے گا کیونکہ بموجب حدیث صحیح کے وہی وقت مسیح موعود کے حج کا ہوگا۔

(ایام الصلح، روحانی خزائن: 14/416)

تردید: مرزا قادیانی نے اپنے حج نہ کرنے کا عذر تراشتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ میں اس وقت حج کروں گا جب دجال توبہ تائب ہو کر حج کرے گا۔ کیسی ندرت خیالی اور طرز استدلال ہے؟ سبحان اللہ! اس قسم کے حیلوں بہانوں کے متعلق کہا گیا ہے:

نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی

جھوٹ ⑪: مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾

(اعجاز احمدی، روحانی خزائن:19/113)

تردید: قادیانی گروہ سے ہمارا سوال ہے کہ قرآن مجید کی کون سی سورت اور آیت اور کس حدیث کی کتاب میں مرزا قادیانی کا تذکرہ ہے۔ ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ﴾

جھوٹ ⑫: افسوس کہ وہ حدیث بھی اسی زمانہ میں پوری ہوئی جس میں لکھا تھا کہ مسیح کے زمانہ کے علماء ان سب لوگوں سے بدتر ہوں گے جو زمین پر رہتے ہوں گے۔

(اعجاز احمدی، روحانی خزائن:19/120)

تردید: علمائے کرام نے چونکہ مرزا قادیانی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا، اس لیے وہ علماء سے خفا اور نالاں رہتا تھا۔ اپنے غصے کے اظہار کے لیے اس نے ایک حدیث گھڑ لی اور اس کا سہارا لے کر علماء کو بدترین مخلوق قرار دیا۔

جھوٹ ⑬: قرآن شریف اور احادیث اور پہلی کتابوں میں لکھا تھا کہ اس (مسیح موعود) کے زمانہ میں ایک نئی سواری پیدا ہوگی جو آگ سے چلے گی اور انھی دنوں میں اونٹ بے کار ہو جائیں گے۔

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن: 20/25)

تردید: قرآن و حدیث میں مسیح موعود کے وقت ریل گاڑی چلنے کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔

جھوٹ ⑭: اور بعض احادیث میں بھی آ چکا ہے کہ آنے والے مسیح کی ایک یہ بھی علامت ہے کہ وہ ذوالقرنین ہوگا۔

(نصرۃ الحق، روحانی خزائن: 21/118)

جھوٹ ⑮: ایسا ہی احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ وہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا اور وہ چودھویں صدی کا مجدد ہوگا، سو یہ تمام علامات بھی اس زمانہ میں پوری ہوگئیں۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن: 21/359)

جھوٹ ⑯: مسیح موعود کی نسبت تو آثار میں یہ لکھا ہے کہ علماء اس کو قبول نہیں کریں گے۔

(ملفوظات: 5/276، ضمیمہ براہین احمدیہ، حصہ پنجم، روحانی خزائن:21/387)

تردید: علمائے کرام گزشتہ سو سال سے قادیانیوں سے سوال کرتے چلے آ رہے ہیں کہ مرزا قادیانی نے ''احادیث صحیحہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے، ہم کہتے ہیں کہ احادیث جو کہ جمع کثرت کا صیغہ ہے اور جمع کثرت دس سے شروع ہوتی ہے۔ تم دس حدیثیں نہیں صرف ایک دکھا دو، صحیح نہ سہی ضعیف کا حوالہ دے دو جس میں چودھویں صدی کے سر پر مسیح کے آنے کا ذکر ہو لیکن صورت حال یہ ہے:

خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

جھوٹ ⑰: اور میری نبوت آنحضرت ﷺ کی ظل ہے نہ کہ اصل نبوت۔ اسی وجہ سے حدیث اور میرے الہام میں جیسا کہ میرا نام نبی رکھا گیا ایسا ہی میرا نام امتی بھی رکھا ہے۔

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن: 22/154)



جھوٹ ⑱: اب واضح ہو کہ احادیث نبویہ میں یہ پیش گوئی کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسیٰ اور ابن مریم کہلائے گا اور نبی کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن: 406/22)

جھوٹ ⑲: یہ دارقطنی کی حدیث ہے کہ مہدی موعود کی یہ بھی نشانی ہے کہ خدا اس کے لیے اس کے زمانے میں یہ نشان ظاہر کرے گا کہ چاند اپنی مقررہ راتوں میں سے (جو اس کے خسوف کے لیے خدا نے راتیں مقرر کر رکھی ہیں یعنی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں) پہلی رات میں گرہن پذیر ہوگا اور سورج اپنے مقرر دنوں میں سے (جو اس کے کسوف کے لیے خدا نے دن مقرر کر رکھے ہیں، یعنی 27، 28، 29) درمیانے دن میں کسوف پذیر ہوگا اور یہ دونوں کسوف رمضان میں ہوں گے۔

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن: 329/23)

تردید: یہ جھوٹ مرزا قادیانی کے انٹرنیشنل جھوٹوں میں سے ایک ہے۔ دارقطنی میں امام محمد باقر کی طرف منسوب قول لکھا ہے (اگرچہ اس قول کو بھی بغیر تحریف اس مطلب میں ثابت نہیں کیا جا سکتا) جسے مرزا قادیانی اور اس کے ماننے والے حدیث بنا کر پیش کرتے رہے ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اگر دارقطنی میں یہ الفاظ لکھے ہوں: «قال رسول اللہ ﷺ» تو قادیانیوں کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

جھوٹ ⑳: ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے دوسرے ملکوں کے انبیاء کی نسبت سوال کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا کہ ہر ایک ملک میں خدا تعالیٰ کے نبی گزرے ہیں اور فرمایا: «کان فی الھند نبیًا اسود اللون اسمہ کاھنا» یعنی ہند میں ایک نبی گزرا ہے جو سیاہ رنگ تھا اور نام اس کا کاہن تھا، یعنی کنھیا جس کو کرشن کہتے ہیں اور آپ سے پوچھا گیا کہ کیا زبان فارسی میں بھی کبھی خدا نے کلام کیا ہے تو فرمایا کہ ہاں، خدا کا کلام زبان فارسی میں بھی اترا ہے جیسا کہ وہ اس زبان میں فرماتا ہے: ''ایں مشتِ خاک را گر: نہ بخشم چہ کنم''

(ضمیمہ چشمہ معرفت، روحانی خزائن: 382/23)

تردید: نقل کردہ الفاظ کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہیں۔

ایک شبہے کا ازالہ

مرزا قادیانی نے دو قسم کے جھوٹ احادیث نبویہ کے متعلق لکھے ہیں:

① وہ جھوٹ جن سے اس کی مہدویت و مسیحیت کو سہارا ملنے کا احتمال تھا ② وہ جھوٹ جو حافظہ کی خرابی کی بنا پر بولے گئے۔ قسم ثانی کے جو جھوٹ ہیں ان کے متعلق قادیانی یہ عذر یا تاویل پیش کرتے ہیں کہ مرزا صاحب بھی انسان تھے اور ان کو بھی نسیان ہوسکتا ہے۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ مرزا قادیانی کا اپنے متعلق یہ دعویٰ ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ مجھے غلطی پر ایک لمحہ کے لیے بھی قائم نہیں رہنے دیتے اور ہر غلطی سے مجھے محفوظ رکھتے ہیں اور شیاطین کے راستوں سے میری حفاظت کرتے ہیں۔''

(نور الحق، روحانی خزائن: 272/8)

مرزا قادیانی مزید لکھتا ہے: ''انبیاء غلطی پر قائم نہیں رکھے جاتے۔'' (اعجاز احمدی، روحانی خزائن: 133/19)

اگر مرزا قادیانی بزعم خود نبی ہے تو پھر اغلاط در اغلاط کا مرتکب کیوں ہوا اور تازیست ان اغلاط پر اصرار کیوں کرتا رہا؟ قادیانیوں سے ہمارا ایک ہی سوال ہے کہ مرزا قادیانی اپنے مسلّمہ اصول نبوت ''انبیاء غلطی پر قائم نہیں رکھے جاتے'' پر پورا کیوں نہیں اترتا؟ کیا وہ اندھی عقیدت اور دنیوی مفادات سے بالاتر ہو کر غور کریں گے؟

قادیانیوں کے لیے ایک لمحہ فکریہ

قادیانی حضرات کو یہ بات مسلم ہے:

① حضور ﷺ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولنے والا دوزخی ہے۔

② دوزخی شخص امام مہدی، مسیح موعود اور نبی نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ مجدد بھی نہیں ہوسکتا۔

جب یہ دو اصول وہ مانتے ہیں تو ہمارا ان سے سوال ہے کہ زیر نظر مضمون میں زیادہ تر مرزا قادیانی کے وہ جھوٹ جمع کیے گئے ہیں جو اس نے قصداً بولے ہیں۔ اب قادیانیوں کے لیے دو ہی راستے ہیں، یا تو وہ ہر ہر حوالے کو، جسے علماء جھوٹ کہتے ہیں، سچ ثابت کریں اور اگر وہ اس سے عاجز ہیں تو احادیث نبویہ اور نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے والے شخص پر لعنت بھیجتے ہوئے اس کا دامن چھوڑ دیں اور حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں۔



سعودی عرب کو جمہوریت سے بچائیں

خالد سیال

شاہ جی سے میری شناسائی کئی سالوں پر محیط ہے، ان کا تعلق شیعہ مکتبِ فکر سے ہے، وہ اپنے عقائد ونظریات میں کافی حد تک متشدد بھی ہیں، پیشے کے لحاظ سے صحافی ہیں اور ایک بڑے صحافتی گروپ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ وہ پاکستان میں پیدا ہوئے، ایران میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی، دنیا کے اکثر ممالک میں جا چکے ہیں۔ ایران کے اعلیٰ حکومتی ایوانوں تک ان کی رسائی ہے۔ ہماری گاہے بگاہے چائے کے کپ پر گپ شپ ہوتی رہتی ہے، کبھی کبھی میں ان کو چھیڑتا ہوں تو وہ شروع ہو جاتے ہیں۔ اس دن ہماری گفتگو اور گپ شپ کا موضوع مشرق وسطیٰ میں ''جمہوریت'' اور تبدیلی کی لہر تھی۔ شاہ جی کئی بار سعودی عرب کا سفر بھی کر چکے ہیں اور حج و عمرہ کی سعادت بھی حاصل کر چکے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ وہ ایران، عراق، شام اور عرب ریاستوں سمیت دنیا بھر کی سیر وسیاحت کر چکے ہیں مگر جو سکون اور لذت مکہ ومدینہ میں جا کر حاصل ہوتی ہے اور بیت اللہ اور مسجد نبوی کی صفوں پر بیٹھ کر جو اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ شاہ جی کے خیال میں سعودی عرب میں آل سعود کی حکومت نے حرمین شریفین کی جس طرح خدمت کی ہے اور حجاج کرام اور زائرین کے لیے جو سہولیات فراہم کی ہیں، اس کی پوری تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی، اس لیے کم از کم سعودی عرب کو موجودہ جمہوریت سے بچایا جانا چاہیے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر پانچ سال کی باری لینے والے جمہوری حکمران سعودی عرب پر بھی مسلط ہو گئے تو وہ نہ صرف حرمین شریفین کا تقدس پامال کر دیں گے بلکہ سعودی عرب کی موجودہ حکومت حرمین شریفین کی جس طرح توسیع اور تزئین وآرائش کر رہی ہے اور اللہ کے مہمانوں کی جس طرح خدمت کر رہی ہے، پانچ سال کے لیے آنے والے جمہوری حکمرانوں کو ان کے بارے میں سوچنے کی فرصت بھی نہیں ملے گی۔

یہ حقیقت ہے کہ 23 ستمبر 1932ء کو جب سعودی حکومت کے بانی شاہ عبدالعزیز نے عنان اقتدار سنبھالی تو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ چند ہی برسوں کے اندر اندر سعودی عرب امن وامان کا گہوارہ اور معاشی اعتبار سے امیر ترین ملک بن جائے گا۔ اس سے قبل صورت یہ تھی کہ سرزمین حجاز میں غربت و افلاس کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور بدامنی کا یہ عالم تھا کہ حجاج کرام کے قافلوں کو بھی لوٹ لیا جاتا تھا۔ مکہ کے بدوؤں کی لوٹ مار کی داستانیں دور دور تک سنائی دیتی تھیں، ان حالات میں شاہ عبدالعزیز نے انقلاب برپا کر کے جب ایک اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی اور قرآن وسنت کے نظام کو عملی طور پر نافذ کر دیا تو سعودی عرب کی پتھریلی اور بنجر زمین نے اپنے اندر چھپے خزانے اگلنے شروع کر دیے اور دیکھتے ہی دیکھتے سعودی عرب نہ صرف دنیا کے امیر ترین ممالک کی صف میں کھڑا ہو گیا بلکہ اس نے کئی ترقی یافتہ ممالک کو امداد دینا بھی شروع کر دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے نظام حیات پر عمل پیرا ہونے کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سعودی عرب کے لیے اپنے رزق کے خزانے کھول دیے، آج دنیا کو زیادہ تر تیل صرف سعودی عرب سے سپلائی کیا جاتا ہے۔ مال و دولت کی فراوانی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے سعودی عرب کی حکومت کو الغنی غنی النفس



کے مصداق بڑا دل بھی دیا ہے۔ سعودی عرب نے اپنی حکومت کے خزانے کا منہ دنیا بھر میں مسلمانوں، غریب اقوام کی امداد اور دنیا میں قرآن وسنت کی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے کھول دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دولت کی جو فراوانی دی، سعودی حکومت نے اس پر سانپ بن کر بیٹھنے کی بجائے اسے دنیا بھر میں پھیلا دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سعودی حکومت نے اندرون ملک بھی تعمیر وترقی کے لیے دل کھول کر سرمایہ خرچ کیا، ملک کے کونے کونے میں عام شہریوں تک وہ تمام سہولیات پہنچا دی گئیں جو شاہی خاندان کو حاصل ہیں۔ اس وقت دنیا میں سعودی عرب واحد مملکت ہے جہاں شاہی خاندان کا کوئی فرد بھی جرم کرتا ہے تو اسے وہی سزا دی جاتی ہے جو عام سعودی شہری کو ملتی ہے۔ ریاستی وسائل کا فائدہ نہ صرف عام سعودی شہریوں تک پہنچتا ہے بلکہ بیرون ملک سے آئے ہوئے لاکھوں افراد بھی سعودی عرب کے وسائل سے اپنے خاندانوں کی کفالت کر رہے ہیں۔ دنیا کے ہر مسلمان کا دل سعودی عرب کے ساتھ دھڑکتا ہے، دنیا کے کسی دور دراز کونے میں بسنے والے مسلمان کی بھی یہ دِلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ زندگی میں کم از کم ایک بار دیار حبیب ﷺ کا چکر ضرور لگائے، اس کی وجہ سعودی عرب کا سرمایہ نہیں بلکہ اللہ کا گھر، بیت اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا شہر مدینہ منورہ ہے۔ ہر مسلمان چاہتا ہے کہ وہ بیت اللہ کا طواف کرے جہاں ہر وقت اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ان گلیوں اور بازاروں میں چلے پھرے، جہاں اس کے آقا و مرشد، سید الرسل ﷺ چلتے پھرتے تھے۔

سعودی عرب کی حکومت کے ساتھ دنیا بھر کے مسلمانوں کے دل اس لیے بھی دھڑکتے ہیں کہ اس نے حرمین شریفین کی خدمت کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ شاہ عبدالعزیز سے لے کر شاہ عبداللہ تک حرمین شریفین کی تزئین وآرائش اور توسیع وتعمیر کا جتنا کام ہوا اور ہو رہا ہے شاید سرزمین حجاز کی پوری تاریخ میں کبھی بھی اتنا کام نہیں ہوا، ابھی شاہ عبداللہ کے حکم سے حرمین شریفین کی توسیع کا جو کام جاری ہے، وہ مکمل ہونے کے بعد اگلے تقریباً سو برس تک مزید توسیع کی ضرورت نہ رہے گی۔ سعودی عرب کے بادشاہ خود کو خادم الحرمین الشریفین کہلانا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ آج دنیا بھر کے مسلمان اگر سعودی عرب کی حکومت کا احترام کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حکومت نے خود کو حرمین شریفین اور ہر سال لاکھوں کی تعداد میں دنیا کے کونے کونے سے آنے والے اللہ کے مہمانوں کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب کی حکومت کو کمزور کرنے کی کوئی سازش سامنے آتی ہے تو دنیا بھر کے مسلمانوں میں تشویش کی لہر دوڑ جاتی ہے اور وہ مسلکی اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر ایک ایسی حکومت کی مدد واعانت اپنے ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں جس نے اپنی سرزمین پر قرآن وسنت کے نظام کو نافذ کر رکھا ہے۔

گزشتہ چند برسوں سے مشرق وسطیٰ کے بعض ممالک میں تبدیلی کی جو لہر اٹھی ہے بعض حاسدین تب سے یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ اس ''انقلاب'' کو سعودی عرب اور خلیجی ریاستوں تک پھیلا دیا جائے لیکن سر توڑ کوششوں کے باوجود وہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو پائے۔ اس کی بڑی اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کے ممالک کے حکمرانوں نے اپنے عوام کی فلاح وبہبود اور ان کو بنیادی سہولیات کی فراہمی کے لیے بے شمار اقدامات کیے ہیں اور ریاستی وسائل پر قابض ہونے کے بجائے عوام کو ان میں شامل کیا ہے اور وہاں کے عوام نہ صرف اپنے حکمرانوں سے خوش ہیں بلکہ ان کی درازی عمر کے لیے دعا گو رہتے ہیں۔ انھیں معلوم ہے کہ اگر ''جمہوری'' حکمران ان پر مسلط ہو گئے تو وہ ان کا حشر بھی وہی کریں گے جس سے دیگر ممالک کے ''جمہوری'' عوام دوچار ہیں۔ اس لیے سعودی عرب، کویت، بحرین اور متحدہ عرب امارات کے عوام ایسی جمہوریت سے پناہ مانگتے ہیں، جو انھیں مسائل سے دوچار کر دے اور ان کے منہ سے آخری نوالہ بھی چھین لے۔ وہ ایسا سوچنے میں یقیناً حق بجانب ہیں کہ حکومت کا کام عوام کو سہولیات اور انصاف فراہم کرنا ہے نہ کہ انھیں مسائل سے دوچار کر کے پریشان کرنا۔ شاہ جی کا خیال ہے کہ کم از کم سعودی عرب میں وہ ''جمہوریت'' کبھی نہیں آنی چاہیے جس کا ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو ہم حرمین شریفین میں ویسے سکون اور اطمینانِ قلب کے ساتھ عبادت بھی نہیں کر پائیں گے، جس طرح آج ممکن ہے۔